عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

غزالی

ذیقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۳۹ھ / اگست، ستمبر ۲۰۱۸ء

Reg No. P476

جلد: شش دهم و هفت دهم

شمارہ: ۱۱، ۱۲

فہرست

فی شمارہ : 20/- روپے

سالانہ بدل اشتراک : 250/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

physiologist72@hotmail.com | www.darwaish.org | akhun82@gmail.com

سیاست پر امانت و دیانت کا اثر

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

پاکستان کا الیکشن مکمل ہوا۔ جو نتائج سامنے آئے وہ پاکستانی قوم کے سیاسی شعور کی پختگی اور دینی فہم کی درستگی کے علمبردار ہیں۔ گزشتہ دور میں سیاسی پارٹیوں کی جو جو کارکردگی رہی، اسی کی روشنی میں عوام نے ان کو ووٹ دیئے اور اسی ترتیب سے ان کی سیٹیں آئیں۔ ان پارٹیوں کے نتائج کا ان کی مالی بے ضابطگیوں اور دینی کوتاہیوں کے ساتھ براہ راست تعلق ہے۔ پیپلز پارٹی کی لوٹ کھسوٹ سب کے سامنے تھی، پھر بھی سندھ میں حکومت ملنا وہ خیرات ہے جو ذوالفقار علی بھٹو کے قادیانیوں کے خلاف فیصلے کے نتیجے میں ان کو ملتی رہے گی۔ نواز شریف کی پیسہ ملک سے باہر نکالنے کی کوتاہیاں، ممتاز قادری رحمۃ اللہ علیہ کی پھانسی، ختم نبوت کے قانون میں ترمیم و تبدیلی کی سازش، ہندوستان اور کشمیر میں مسلمانوں کی لاشیں گرانے والے مودی اور اس کے ساتھیوں کا اعزاز کے ساتھ گھریلو مہمان کے طور پر بغیر اصولوں کے اپنے گھر بلانا، اپنے کارخانوں میں اپنے ملک کے غریب لوگوں کو چھوڑ کر ہندوستان سے مزدور بلانا جن کے ساتھ ''را'' کے داخل ہونے کے خطرات، اس کا اور اس کے بھائی کا ایسا رویہ اختیار کر لینا کہ گویا پاکستان ان کی آبائی جاگیر ہے، یہ سب باتیں انہیں لے ڈوبیں۔

جس وقت افغانستان پر امریکہ نے حملہ کیا اور امارتِ طالبان کو کچلا تو ساری دنیا میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً غم کی لہر چھا گئی۔ مغربی دنیا، سی آئی اے اور عالمی دانشوروں نے اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ اس وقت ہونے والے الیکشن میں دینی جماعتیں اور خاص کر دیوبند عقیدے والے لوگ بہت سیٹیں لیں گے، کیونکہ جہاد افغانستان میں جانی قربانی بغیر کسی مفاد کے دیوبند مکتبۂ فکر کے

لوگوں نے ہی کی ہوئی تھی۔ جماعت اسلامی اپنی مختصر تعداد کے ساتھ شامل رہی لیکن اس منصوبے کے ٹھیکوں وغیرہ سے ان کو عظیم مالی مفادات حاصل ہوئے۔ چنانچہ عالمی اداروں نے فوراً متحدہ مجلس عمل (ایم ایم اے: MMA) بنائی۔ شاطروں نے اسلام کا نام ہی اس میں ڈالنے نہیں دیا، جسے سادہ لوح ایم ایم اے والوں نے قبول کرلیا۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کو بھی اس میں شامل کیا گیا۔ اس موقعے پر ان کے دو تہائی اکثریت حاصل کرنے کا عالمی اداروں کو خطرہ ہو گیا تھا لیکن ایم ایم اے کے نتیجے میں ستر، اسی سیٹوں پر آ گئے۔ ان علماء کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ یہ ووٹ انہیں ملے ہیں جبکہ یہ ووٹ عملاً ملا عمر کو ملے تھے جس کی وجہ سے یہ اقتدار میں آئے۔ ایم ایم اے کی موجودگی میں جامعہ حفصہ کے دارالعلوم کی طالبات کا قتل عام ہوا۔ وفاق المدارس کو حکومت کو کہنا چاہیے تھا کہ جامعہ حفصہ والوں کے مطالبات ٹھیک ہیں، حکومت کو اس پر غور کرنا چاہیے۔ اس کی بجائے وفاق المدارس والوں نے جامعہ حفصہ والوں کو اپنی تنظیم سے نکالنے کا اعلان کر کے حکومت کے ہاتھ مضبوط کئے اور جامعہ حفصہ والوں کی کمر توڑ دی۔ وہ وفاق المدارس جو اشاعتیوں کو کھلم کھلا حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ برزخی کا انکار کرنے کے باوجود اور دیگر انبیاء، اولیاء کے بارے میں اکھڑ طریقے سے بولنے کے باوجود نیز توحید کے بیان میں گستاخی تک پہنچنے کے باوجود نہ نکال سکے، جبکہ جامعہ حفصہ والوں کو بیک جُنبش قلم نکال دیا۔ اس وقت کے فوجی ڈِکٹیٹر، خبیث، بیوقوف مشرف نے جب این آر او کے ذریعے ایم کیو ایم کے غنڈوں اور قاتلوں کو معاف کرنے کا فیصلہ کیا تو ایم ایم اے والے بند آنکھوں سے دستخط کر کے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ ان لوگوں نے اتنے مفادات لئے ہوئے تھے کہ چوں تک نہیں کر سکتے تھے۔

ایک وقت تھا کہ پاکستان کے تصوف کے سلاسل کا خلاصہ اور سربراہ جمعیت العلماء کا صدر ہوا کرتا تھا جبکہ پاکستان کے دینی مدارس کا خلاصہ اس کا ناظم عمومی (جنرل سیکرٹری) ہوا کرتا تھا۔ یہ تنظیم قطعاً کسی ایک خاندان کی موروثی چیز نہیں تھی۔ چنانچہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ پہلے صدر اور مفتی شفیع

صاحب رحمہ اللہ پہلے ناظم عمومی بنے۔ جبکہ احمد علی لاہوری صاحب رحمہ اللہ اور مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمہ اللہ دوسرے دور میں ان عہدوں پر آئے۔ تیسرے دور میں عبداللہ درخواستی صاحب رحمہ اللہ اور مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ آئے۔ سب حضرات اونچے درجے کے علماء، کتابوں کے مصنف، سالہا سال مدارس میں قرآن وحدیث پڑھائے ہوئے، ہزاروں علماء کے استاد، تصوف کے سلسلے چلانے والے اور ایسے نائبینِ رسالت جن کی کرامتیں لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ قسمت کا سودا کہ ہزاروی صاحب، درخواستی صاحب اور مفتی محمود صاحب کی وفات کے بعد کسی نے پارٹی کا نہ پوچھا۔ پاکستان میں علماء نے کوئی نمائندہ اجتماع نہ بلایا، نتیجے میں پارٹی کی قیادت ۲۵ سال کے نوجوانوں کے ہاتھ میں آگئی۔ ان نوجوانوں نے اپنی صوابدید اور رائے پر ہی کام شروع کر دیا۔ کبھی کبھی گوشہ نشین اکابرین کے قدم چھونے کے لئے ان کے پاس حاضر ہو کر اپنی کارکردگیوں اور کارناموں کو سنا کر ان کو مطمئن کرنے لگے۔ پارٹی سے بڑی عمر کے فعال (Active) کارکن، اہلِ علم و اہلِ تصوف آہستہ آہستہ فارغ ہوتے رہے۔ ان کی جگہ دنیادار خوانین، مالدار یہاں تک کہ ڈنڈے مار غنڈوں کو آگے کر دیا گیا۔ اس بات کی بھی تحقیق نہ کی گئی کہ انھوں نے مال کہاں سے کمایا ہے۔

پہلے اکابر کی ترتیب، جس میں وہ دین کا پھیلانا، مدارس کا چلانا، تصوف کے سلاسل کا جال بچھانا، اسی دوران جب الیکشن آجائے تو ایمان وتقویٰ، علم وفضل کے لحاظ سے نمائندہ شخصیات کو کھڑا کر کے ضابطۂ اخلاق کے اندر رہتے ہوئے الیکشن لڑنا، اس کے نتیجے میں جو کچھ من جانب اللہ حاصل ہو جائے، اسی پر اللہ سے راضی رہنا، اور باطل وناحق سے مفاہمت کی بجائے سخت مزاحمت کی ترتیب پر چلنا اور اس بات کو اپنے سیاسی مفادات پر مقدم نہ کرنا، یہ ان کے چلنے کا طرز تھا۔ جس کے نتیجے میں انھوں نے حکومتی حیثیتیں بھی حاصل کیں اور ملک میں سیاسی سطح پر آنے والی تبدیلیوں کو بھی روکا۔ اس کے مقابلے میں اتحاد، سیٹ ایڈجسٹمنٹ اور وزارتوں کا حصول مقصد بن گیا جس کی خاطر اصولوں میں

نرمی بلکہ اصولوں کا پیٹھ پیچھے ڈالنا سامنے آتا رہا۔اسی اثناء میں یہ بات دیکھنے میں آئی کہ ملک کے اہم دینی ادارے، جن میں ذمہ دار عوام کی اکثریت شامل ہو رہی تھی ان سے اِن نوجوانوں کا رابطہ کٹ کر رہ گیا۔اس سے میری مراد تبلیغی جماعت کی تحریک، تصوف کے مشائخ کی خانقاہیں اور اکابر علماء کے بڑی حیثیت کے مدارس ہیں۔نوجوان علماء اور مدارس والے ان باریکیوں کو سمجھ ہی نہیں پارہے تھے لہٰذا وہ تو ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر کے ان نوجوان پارٹی سربراہوں کے پیچھے چلتے رہے۔ظاہر ہے اس ترتیب پر سمجھدار عوام میں مقبولیت پیدا نہیں ہو سکتی۔

ان کی حکومت میں یہ بات دیکھنے میں آئی کہ رشوتی اور دونمبر افسران ہی ترقیاں کرتے رہے کیونکہ وہی کمیشن کی ترتیب پر چل سکتے تھے۔اصولی، دیندار اور متقی افسران مسلسل نظر انداز ہوتے رہے۔پیسے دے کر عام دنیاداروں کے کام ہو جاتے تھے جبکہ وہ دیندار لوگ جوان کو معیاری سمجھ کر یہ خیال کرتے تھے کہ ہمارا حق ہمیں ضرور مل کر رہے گا، جب حق نااہل کو ملتے ہوئے دیکھتے تو حیران رہ جاتے۔ یہ وہ باتیں ہوتی ہیں جن سے اللہ کی مدد اور تائید ختم ہو جاتی ہے اور عوام میں مقبولیت نہیں رہتی۔تحریک انصاف نے اپنی صوبائی حکومت کے دوران رشوت کو روکا، میرٹ پر فیصلے کر کے حق دار کو اس کا حق دیا، بددیانتی اور کرپشن کرنے والے وزیروں اور افسروں پر ہاتھ ڈالا، پولیس کو ضابطۂ اخلاق سکھایا، دفتروں میں جو فیصلے ہوتے تھے، ان کا ریکارڈ عوام کو ملنے کا حق دیا، چنانچہ مدارس کی بڑی حیثیت کے علماء انتہائی گندہ پراپیگنڈہ کرنے کے باوجود، جس کے ثبوت فیس بک پر اور ہم سب لوگوں کو ملنے والے پیغاموں (Messages) میں محفوظ ہیں، عوام میں حیثیت نہ گرا سکے۔ان ساری پہلی حکومتوں والے اتنے بیوقوف ہوتے تھے کہ لوگوں کا حق مار کے اپنے حلقے والوں کے ناحق کام اس امید پر کر رہے ہوتے تھے کہ اس سے ہمیں مستقبل میں ووٹ ملیں گے۔حق مار کر اور میرٹ کے خلاف فیصلے کر کے آدمی عوام میں اور اللہ کے ہاں کب مقبول ہو سکتا ہے؟

حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ کی ایک مجلس

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

بندہ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر تھا۔ اتنے میں ملنے کے لئے کرک سے دو مہمان آ گئے۔ ایک سفید ریش بڑی عمر کے شخص تھے جبکہ دوسرے مضبوط صحت والے پینتالیس، پچاس سال کے ڈاڑھی منڈے تھے۔ سفید ریش تبلیغی جماعت کے کارکن تھے جبکہ دوسرے نوجوان ان کے چھوٹے بھائی تھے جو کنیڈا یا امریکہ میں مقیم تھے۔ وہاں کے قیام سے چھوٹے بھائی کے حالات بہت بدل چکے تھے اور پاکستان پر اور اسلام پر اعتراضات کر رہے تھے۔ بڑے بھائی کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ یہ چھوٹا بھائی ایسی باتوں سے کہیں ایمان ہی ضائع نہ کر دے اس لئے اسے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں لائے تھے کہ شاید ان کی تلقین اسے فائدہ دے دے۔

نوجوان نے یہ بات اٹھائی کہ مسلمان جہاں پر ہیں پٹ رہے ہیں، خوار ہیں، بدحال ہیں، جبکہ امریکہ، کینیڈا اور یورپ کے لوگ مزے کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی شائستگی سے جواب دیا کہ مسلمان کی مثال سر پر پہننے والے ٹوپی کی ہے، ذرا گندی ہو جائے تو اسے خوب رگڑ رگڑ کر دھویا جاتا ہے، کبھی اس پر پتھر بھی مارا جاتا ہے تاکہ اس کی میل صاف ہو جائے کیونکہ ایک اعزاز والی چیز ہے اس پر آدمی گندگی اور غلاظت ذرا برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کے مقابلے میں اگر پاؤں پر پہنے ہوئے جوتوں میں کیچڑ، گوبر، ٹٹی بھی لگی ہوئی ہو تو کسی کو پرواہ نہیں ہوتی۔ یہی مثال کافر کی ہے۔ وہ قسم ہا قسم کی بے تکی ہانکتا رہا۔ حضرت شائستگی سے جوابات دیتے رہے۔ مجھے تو اتنا غصہ آیا کہ جی چاہا اس آدمی کو نیچے گراؤں اور اس کا بھرکس

نکالوں لیکن حضرت مولانا صاحب کے ڈر کے مارے بول نہیں سکتا تھا۔

مجلس میں حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ جناب حاجی ڈاکٹر پرفیسر شیر حسن صاحب بیٹھے تھے۔ انہوں نے امریکہ میں چھ سال گزارے ہوئے تھے، پی ایچ ڈی بھی وہاں سے کی ہوئی تھی اور Post-Doctoral ریسرچ بھی وہیں سے کی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس نوجوان کو مخاطب کر کے کہا: ''آپ کس امریکہ کی بات کر رہے ہیں؟ میں نے بھی وہاں وقت گزارا ہے۔'' پھر امریکہ کی خرابیاں اور برائیاں گنیں اور فرمایا: ''بھائی میں نے وہاں پانچ، چھ سال گزارے ہیں، کیا یہ کمیاں، کوتاہیاں، برائیاں وہاں نہیں ہیں؟'' آدمی پیچھے مڑ کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے شیر حسن صاحب کو دیکھ رہا تھا کہ اُس سے زیادہ امریکہ کے بارے میں اِس مولوی نما آدمی (شیر حسن صاحب) کو تجربہ اور معلومات تھیں۔

اس کے لئے مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ تو وہی لیبر کلاس کا آدمی تھا جبکہ شیر حسن صاحب پاکستان کے معزز نمائندے اور پی ایچ ڈی کے سکالر تھے۔ جونہی شیر حسن صاحب کی بات ختم ہوئی، مجلس کا ایک دوسرا آدمی پرفیسر شفیق صاحب بول پڑا۔ اس نے بھی پی ایچ ڈی امریکہ سے کی ہوئی تھی۔ کہا: ''بھائی! ہم نے بھی امریکہ میں چار، پانچ سال گزارے ہیں۔'' آدمی آنکھیں پھاڑ کر شفیق صاحب کو دیکھنے لگا۔ شفیق صاحب نے حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے کہا: ''حضرت! جب تک اس کی صحت ٹھیک ہے اور بازو مضبوط ہیں تو یہ ایسی باتیں کرے گا۔ اس کو تب پتہ چلے گا جب یہ بڑھاپے میں اولڈ ایج ہوم میں ڈالا جائے گا۔'' آدمی کو حضرت مولانا صاحب کی شریفانہ باتوں کا ضرور فائدہ ہوا لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجلس کے حضرات کی جارحانہ باتوں کا بھی پورا پورا فائدہ ہوا، اور میری طرح بیٹھے ہوئے جذباتی نوجوان کا بھی دل ٹھنڈا ہوا۔

ملفوظاتِ شیخ ۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۹۸)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب، پشاور)

زُلّت :

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر جنت میں رکھا اور ان سے فرمایا کہ جنت کی نعمتوں کو خوب کھاؤ اور پیو، اور کوئی عبادت اور حکم مقرر نہیں ہے مگر صرف ایک ہی حکم مقرر ہے کہ:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ:۳۵)

ترجمہ: اور نزدیک نہ جائیو اس درخت کے ورنہ تم بھی انہیں میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔(تفسیر بیان القرآن)

جنت کا نظارہ بغیر کوشش کے اور بغیر محنت کے دِکھا دیا گیا، وہاں کی نعمتیں دکھا دی گئیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی منشاء یہ تھی کہ زمین پر وقت گزاریں تو زمین پر اتارا گیا کہ جس درخت سے روکا گیا تھا اس درخت کا پھل کھالیا۔ ایک دفعہ یہاں پر درس ہو رہا تھا ایک بڑے دانشور ہمارے صوبے کے، وہ بھی آئے ہوئے تھے تو انہی آیتوں کا درس ہو رہا تھا۔ مختلف قسم کی بحثیں معارف القرآن میں لکھی ہوئی تھیں کہ انبیاء علیہم السلام سے کبیرہ صغیرہ گناہ ہوتے ہیں کہ نہیں ہوتے؟ عقیدہ کا مسئلہ ہے کہ کبیرہ گناہ نہیں ہوتے اور صغیرہ گناہ بھی نہیں ہوتے، ایک بات ہوتی ہے اس کو زُلّت کہتے ہیں اور وہ ایسی لغزش ہے کہ جیسے خلافِ اولیٰ بات ہو جائے۔ ایک نیکی فرض ہے، ایک واجب ہے، ایک سنتِ مؤکدہ ہے، ایک مستحب ہے اور ایک درجہ نیکی کا یہ ہے کہ کسی بات کو ایسے

بہترین طریقے سے کرنا جس کو کہتے ہیں فعلِ اولیٰ۔ ذُلّت فعلِ اولیٰ کے خلاف بات کو کہتے ہیں، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑی ناراضگی اور سرزنش ہوتی ہے۔ خیر قسم ہا قسم کی بحثیں مکمل ہوئیں تو آخر میں، میں نے کہا کہ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ اس آیت کی تفسیر فرما رہے تھے تو انھوں نے فرمایا کہ گناہ دو وجوہ سے آدمی کرتا ہے، ایک حکم سے بغاوت کر کے حکم توڑنے کے لیے کہ حکم تو ایسا ہے لیکن میں ایسا نہیں کروں گا، جیسا کہ شیطان نے کہا:

اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ ٭ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ (البقرۃ: ۳۴)

ترجمہ: کہ اُس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آ گیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔ (تفسیر بیان القرآن)

انکار کیا اور اپنی بڑائی کا اس نے اظہار کیا اور وہ تھا ہی کافروں میں سے یعنی حکم کو توڑنے کی نیت کر کے کام کرنا... یہ ہوتا ہے کبر کے نتیجے میں۔ اس لیے گناہوں کی ایک ترتیب کو کہتے ہیں کہ وہ عقلی گناہ ہیں، شیطانی گناہ ہیں اور دوسرا شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے لکھا ہے کہ نفسانی گناہ، نہ یہ گندم کا دانہ کھانا حکم کو توڑنے کے لیے ہوا، نہ نفس کے مزے کے لیے ہوا کہ شیطان نے کہا کہ شَجَرَۃِ الۡخُلۡدِ، ہم تمھیں ایسا درخت دکھاتے ہیں کہ جس کی وجہ سے تم ہمیشہ جنت میں رہا کرو گے، اللہ تعالیٰ کا قرب، اللہ تعالیٰ کی معیت اور اللہ تعالیٰ کا ساتھ اور نزدیکی نصیب ہوگی، گویا وہ نفس کے مزے کے لیے نہیں کیا گیا۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیۡ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ (الاعراف: ۲۱)

ترجمہ: اور ان دونوں کے رُو بہ رُو قسم کھالی کہ یقین جانئے میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

اس نے قسم اٹھائی اور کہا کہ دیکھو میں تمہارا بڑا خیر خواہ ہوں اور میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے، گویا نفس کے مزے کے جذبے سے نہ ہوا۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ

فرماتے تھے کہ وہ بڑا استاد تھا، دکھتی رگ جانتا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک رہنا چاہتے ہیں اور ہمیشہ یہاں رہنا چاہتے ہیں لہٰذا اس نے اس جذبے کو ابھارا۔ کہتے ہیں شیطان کے ظلمانی حجاب دس ہزار ہیں اور نورانی حجاب ستّر ہزار ہیں، کہ جس وقت شیطان مقابلے کے لیے آتا ہے تو پہلے آدمی کو جھوٹ، فریب، دغا، ظلم وستم، بدکاری، ان میں مبتلا کیے رکھتا ہے اور جب آدمی کی تربیت واصلاح ہو جائے اور ان باتوں کو آدمی چھوڑ دے تو پھر شیطان کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ پر میں جتنی کوشش کر رہا ہوں وہ کامیاب نہیں ہو رہی ہے لہٰذا وہ اس میدان کو چھوڑ دیتا ہے اب اس کو نورانی حجاب میں پھنساتا ہے، اس کے آگے نیکی کے جذبے کو لاکر کے کام کراتا ہے۔

علم کے مطابق:

فرمایا کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کے کام کو اپنی اصلاح کی ترتیب پر جاری کیا تاکہ اپنے آپ کو بنایا جائے۔ اس میں بننا اصل ہے، نکلنا بننے کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ اگر تبلیغی کارکن نے لوگوں کو دلائل اور باتوں سے متأثر کر کے جماعت میں نکالنے کی مہارت حاصل کر لی لیکن خود نہ بن سکا تو گویا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اور یہ جو سیاسیوں کے جلسے جلوس ہیں یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔ یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔ یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔ یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔ بعض باتوں کو حضور ﷺ تین دفعہ اور بعض کو سات دفعہ فرمایا کرتے تھے۔ چار دفعہ میں کہہ چکا ہوں۔ یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔ یہ سیاسیوں کی

سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔ یہ سیاسیوں کی سیٹ ایڈجسٹمنٹ، سیاسیوں کے اتحاد، یہ آخرت والی ترتیب نہیں ہے۔اس بات کو مجھے سات بار کہنا پڑا! جماعت میں نکلنے والا ہمیشہ یہ نیت کر کے نکلے کہ میں خود سیکھنے جارہا ہوں، میں خود اپنی اصلاح کیلئے جارہا ہوں، میں اپنی اصلاح کے لیے کتاب پڑھوں گا، میں اپنی اصلاح کیلئے بیان کروں گا، میں اپنی اصلاح کے لئے گشت کروں گا تاکہ اس سے میرا نفس اپنے رذائل کی جانب متوجہ ہو، میرا دل متوجہ ہو، میرے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو اور میں علم کے مطابق عمل کروں۔

مجلس ذکر کی برکت:

فرمایا کہ مشہور دماغی امراض کے ماہر (Psychiatrist) ڈاکٹر شفیق صاحب، دماغی مریضوں کو ہمارے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ کی مجالس میں بھیجتے تھے جس سے مریضوں کو بہت فائدہ ہو جاتا تھا۔ حضرت کے وصال کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مریضوں کو میری طرف بھیجنا شروع کیا۔ بندہ کو اس کا پتہ نہیں تھا۔ ایک دن ایک انجینئر صاحب نے بتایا کہ چھ ماہ سے آپ کی مجالس میں آرہا ہوں اور میں نے ڈاکٹر شفیق صاحب کو بتایا کہ میں آدھا تمہارے علاج سے ٹھیک ہوا ہوں اور آدھا ڈاکٹر صاحب کی مجلس کی وجہ سے، بندہ کو تعجب ہوا، انجینئر صاحب سے پوچھا کہ ہمیں بھی بتاؤ کہ ہماری مجالس سے کیسے آپ کا علاج ہوا تاکہ ہماری معلومات میں اضافہ ہو جائے۔ اس نے بتایا کہ زندگی، حالات اور ماحول کے بارے میں میری کچھ غلط فہمیاں تھیں۔ آپ کے دینی بیانات سن کر وہ غلط فہمیاں دور ہوئیں جس سے میرا مسئلہ حل ہوا۔

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

فرمایا کہ ایک ملاقات میں جناب پروفیسر ڈاکٹر خان بہادر صاحب وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی نے سنایا کہ خیبر میڈیکل کالج کے سالِ اول کے طالب علم برخوردار سرفراز چند دن میڈیکل کالج میں گزارنے کے بعد ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ (سابق پروفیسرو صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی) سے ملنے کے لئے آیا۔ برخوردار نے تبلیغی جماعت میں وقت لگایا ہوا تھا اور دینی لحاظ سے فکرمند تھا، اس نے ملتے ہی کہا: ''حضرت میں میڈیکل کی تعلیم چھوڑنا چاہتا ہوں کیونکہ یہاں کا مخلوط ماحول اور بے دین فضا مجھے بالکل پسند نہیں۔'' حضرت نے فرمایا: ''بھلے آدمی! لڑکیاں تو اس ماحول سے نہیں بھاگ رہیں اور تو مرد ہو کر ہتھیار ڈال رہا ہے۔ یہ تعلیم چھوڑ کر کرو گے کیا؟'' اس نے جواب دیا کہ میں دینی مدرسے میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا: ''دیکھو! علماء بہت ہیں، علماء کے خادم کم ہیں۔'' تم ڈاکٹر بن کر علماء کے خادم بنو۔ آدمی ٹِک گیا، ڈاکٹر بنا، حضرت کی صحبت کا نتیجہ کہ عملی لحاظ سے کئی علماء کے لئے قابلِ رشک بنا اور واقعی علماء کا ایسا خادم بنا کہ جہاں بھی رہا وہاں کے علماء کی خوب خدمت کی۔ ایک حادثے میں شہادت ہو گئی لیکن آج تک ان کی خدمات دوست احباب اور علمائے کرام کے حلقوں میں یادگار ہیں۔ ہمارے حضرت کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اپنے مریدوں کو دنیا کے کاموں میں ایسا چلاتے تھے کہ اس دنیا کو دین اور عبادت بنا دیتے تھے۔

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

اور

ہم فقیروں سے دوستی کر لو گر بتا دیں گے بادشاہی کا

تربیت کرنے والے مشائخ ساری تکالیف مریدوں کے ساتھ سہتے ہیں:

فرمایا کہ بیعت کے جو سلاسل ہوتے ہیں اس میں تربیت کرنے والے مشائخ ساری تکالیف مریدوں کے ساتھ سہتے ہیں۔ کسی فقیر کے معدے میں خون نکلا تو ساتھیوں سے کہا کہ فلاں آدمی جو سامنے بیٹھا ہوا تھا اور تیس سال سے سلسلے میں تھا مگر شکل انگریز کی لیکر بیٹھا ہوا تھا آج اس پر میں نے توجہ کی تو اس سے میری اپنی معدے کی رگ پھٹ گئی، اس پر جب زور لگایا تو اس سے خون نکلا ہے، تو یہ رحمت و شفقت کی چیزیں ہوتی ہیں جسے دینے والا عطا کرتا ہے اور دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کو تقسیم کرنے پر لگایا ہے، کوشش کرنے کے لیے حکم دیا، کوشش کرتے ہیں محنت کرتے ہیں اور سیکھنے والا آگے بڑھتا ہے اور وہ بھی محنت کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تبارک و تعالیٰ یہ دولت عطا فرماتا ہے جس دولت کا جواب نہیں، سبحان اللہ۔ زمین و آسمان، جنت اور جنت کی نعمتیں یہ ساری نماز... تیرے عمل کا بدلہ نہیں ہیں یہ تو اس پر انعام ہیں، اس کا بدلہ تو خود ذاتِ ذوالجلال ہے کہ جس وقت آخر میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا دیدار کے بعد اور جب دیدار بھی ہو جائے گا تو اس کے بعد جس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا کہ اب میں تم سے راضی ہو گیا تو یہ وہ خوشی ہوگی کہ ساری جنت کی نعمتیں اور حور و قصور کا حسن و جمال اور ساری کی ساری چیزیں اس کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، اس سے اتنی خوشی ہوگی اور اس کا آدمی کو اتنا لطف آئیگا کہ اس کا اندازہ نہیں۔

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے

سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

سازش کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، نہیں تو نقصان پہنچاتی ہے:

فرمایا کہ آج کل عام طور پر غیر مقلدین کی سطحی بحثوں کو سن کران پر عمل نہ کیا کریں۔ ہندوستان سے جس وقت انگریز نکل کر جا رہا تھا تو اس نے ایک طرف قادیانی نبوت کھڑی کی جو جہاد کو رد کرے تو شاید جہاد کی تحریک رک جائے اور دوسری طرف احمد رضا خان بریلوی کو تیار کیا کہ جہادیوں پر کفر کا فتویٰ لگائے تا کہ ان کا زور ٹوٹے۔ تیسرا محمد حسین بٹالوی ایک آدمی تھا جو ہندو سے مسلمان ہوا۔ چونکہ محنتی اور مخلص تھا، اس نے قرآن وحدیث کو پڑھا، پھر جب فقہ کو پڑھا تو فقہ اور حدیث کی تطبیق یا مطابقت کرنے میں اور اس کو اکٹھا کرنے میں اس کے ذہن نے کام نہیں کیا لہٰذا اس نے غیر مقلد طرز شروع کیا۔

جب غیر مقلد طرز شروع ہوا تو انگریزوں کو پتا چلا کہ یہ آدمی اچھا خاصا اختلاف ڈال سکتا ہے۔ چونکہ آدمی مخلص تھا ایجنٹ نہیں تھا اس لئے اس نے براہ راست فنڈ نہیں لیا۔ اس کو بالواسطہ فنڈ دیا گیا اور اس کے ساتھ ایسے آدمی لگائے گئے جو اس کو ہمت دلائیں اور آگے بڑھائیں۔ غیر مخلص آدمی کو اہلِ باطل براہ راست فنڈ دے کر اس سے کام لیتے ہیں لیکن جو مخلص ہو اس کو براہ راست فنڈ دینے کی بجائے اس کے ساتھ اپنے ایجنٹ لگاتے ہیں جو اس کے خاص مرید بنتے ہیں، اس کی تائید کرتے ہیں، اس کو آگے بڑھاتے ہیں اور اس کو اپنے طریقے پر چلاتے ہیں۔ محمد حسین بٹالوی کو بھی ان لوگوں نے Indirectly (بالواسطہ) چلایا اور اس نے اچھا خاصہ اختلاف ڈالا۔ ہندوستان کا اہلِ حدیث مسلک محمد حسین بٹالوی کا ہے۔

آخری عمر میں فقہ کے لئے اس کا ذہن کھلا ہے۔ تب اس نے کہا کہ ہائے افسوس کہ اگر میں نے تقلید کی ہوتی تو مجھے بہت فائدہ ہوتا کیونکہ مخلص تھا اس لئے جونہی اس پر بات کھلی تو تسلیم کر

لی۔تب تک انگریزوں نے اس سے اچھا خاصا فائدہ اٹھا کر اختلاف ڈال دیا تھا۔اس لئے جب غیر مقلدین کا طریقہ پھیلنے لگا تو علمائے دیوبند نے فیصلہ کیا کہ اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک حدیث ہے اور ہم اس حدیث کو اس طرح سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کر رہے ہیں تو اس کو ایک الگ مسلک کے طور پر قبول کر لیتے ہیں لیکن جب انھوں نے کفر کے فتوے دینے شروع کئے کہ مقلد کافر ہیں تو پھر اندازہ ہوا کہ یہ محض ایک مسلک نہیں بلکہ ایک سازش ہے۔

سازش کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے نہیں تو نقصان پہنچاتی ہے۔اہلِ حدیث میں دو گروہ ہو گئے...ایک مخلصین کا گروہ رہا ہے اور دوسرا ایجنٹوں کا۔ایجنٹوں نے اپنے مسلک کو تو بہرصورت تکفیر پر چلانا تھا۔اب بھی ان کا ایک گروہ تکفیر پر ہے اور دوسرا نہیں ہے۔غزنوی خاندان اہلِ حدیث میں محتاط ہے۔یہ اپنے شاگردوں سے کہتے کہ جس بات کو چاروں فقہ کے اماموں میں سے کسی نے بھی نہ لیا ہو اس کو اختیار نہ کرو۔اس بات کو ضرور دیکھو کہ چاروں فقہوں میں سے کسی نہ کسی امام نے اس بات کو لیا ہو تو اس میں حفاظت ہے۔اگر کسی امام کا وہ مسلک نہ ہو تو وہ بات خطرناک ہے، یہ لوگ مخلص تھے۔

اتباعِ سنت کی روشن مثال:

فرمایا کہ ہمارے رائیونڈ کے مشہور بزرگ بھائی عبدالوہاب صاحب، جناب حضرت نواب عشرت علی خان قیصر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ صاحبہ کا ایک واقعہ اپنے بیان میں عموماً سناتے رہتے ہیں کہ آخری عمر میں جب ان کے سارے دانت گر گئے تو انہوں نے ہندوستان کے عظیم مفتی جناب کفایت اللہ صاحبؒ کے پاس آدمی مسئلہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ میرے سارے دانت گر گئے ہیں، اب میں مسواک کی فضیلت کیسے حاصل کروں؟ مفتی صاحبؒ نے جواب دیا کہ صرف مسوڑھوں پر اگر مسواک پھیر دیا کریں تو آپ کو مسواک کے فضائل اور ثواب حاصل ہو جائے گا۔(جاری)

(آخری قسط)

اصلاحی بیان

(حضرت پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب دامت برکاتہم، انجینئرنگ یونیورسٹی، پشاور)

(ترجمہ وتدوین: انجینئر ارسلان صاحب، مفید اضافات: انجینئر علاؤالدین صاحب)

(نوٹ: حضرت ڈاکٹر قیصر علی صاحب نے انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور کے فارن ہاسٹل (ہاسٹل 5) میں طلباء سے خطاب فرمایا جس میں اکثریت عرب طلباء کی تھی۔ اصل بیان انگریزی زبان میں تھا۔ جس کا ترجمہ مع مفید اضافات پیش خدمت ہے)

....

اچھائی اور برائی کو جاننے کے ذرائع:

کسی نظریہ اور عمل کو درست یا غلط قرار دینے کے تین ہی ذرائع ہیں:

1) حواسِ خمسہ (Five Senses)

2) عقل اور

3) قابل اعتماد ذرائع سے حاصل ہونے والی سچی خبر

حواسِ خمسہ:

حواس خمسہ سے مُراد پانچ حواس (Senses) یعنی دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے کی حس ہیں۔ ہر انسان آنکھ، کان، ناک، زبان اور ہاتھ پیر کو استعمال کر کے مختلف چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے۔ مثلاً آپ کسی چیز کو سونگھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ چیز تازہ

ہے یا باسی۔ اسی طرح کسی چیز کو دیکھ کر یہ بتا سکتے ہیں کہ خوب صورت ہے یا بدصورت۔

عقل:

دوسرا ذریعہ عقل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو عطا کی ہوئی ہے اور عقل منداور تجربہ کار لوگوں کی صحبت (Company) سے اس میں مزید نکھار آجاتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص تعلیم یافتہ نہ ہو لیکن وہ عاقل اور سمجھدار ہو۔ عام طور پر دنیا کی اکثریت مندرجہ بالا دو ذرائع یعنی حواسِ خمسہ اور عقل سے ہی کسی بھی نظریہ یا عمل کے درست یا غلط ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔

کیا صرف عقل رہنمائی کے لئے کافی ہے؟

اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ عقل کوئی مطلق (Absolute) چیز نہیں، بلکہ یہ ایک غیر مطلق (Relative) چیز ہے۔ ہر شخص کی عقل اور فہم الگ الگ ہوتی ہے۔ صرف عقل کو بنیاد بنا کر تمام انسانی مسائل کو حل کرنا ممکن نہیں کیونکہ عقل اپنے ماحول سے متاثر ہوتی ہے۔ ایسے میں کسی بھی انسان کا غیر جانبدار (Neutral) رہنے کا دعویٰ درست نہیں ہوسکتا۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ ہر انسان اپنی معاشی حالت اور اپنے معاشرے اور علاقے کے اثرات کے تحت ہی سوچتا اور بولتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کے معاشی اور معاشرتی حالات مختلف ہوتے ہیں لہٰذا اس کی سوچ اور عقل غیر جانبدار نہیں رہ سکتی۔ چونکہ ہر شخص کی عقل، فہم اور تجربہ ہر دوسرے شخص سے جدا ہوتا ہے اس لئے تمام لوگوں کا کسی ایک بات پر متفق ہو جانا اور (غیر عالمگیر) خیر اور شر کی کوئی متفقہ تعریف پیش کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

مثال کے طور پر اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے اور مقتول اپنے پیچھے بیوی

بچے چھوڑ جائے تو عام طور پر معاشرے کا ایک بہت بڑا طبقہ قاتل کو پھانسی دینے کے حق میں ہوگا کیونکہ اس نے ایسے شخص کا قتل کیا ہے جو اپنے پیچھے بے سہارا بیوی بچے چھوڑ گیا ہے۔ البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک گروہ قاتل کو پھانسی کی سزا کی مخالفت صرف اس بنیاد پر کرے کہ اس طرح ایک اور خاندان بے سہارا ہو جائے گا کیونکہ قاتل کو پھانسی دینے سے مقتول ویسے بھی واپس نہیں آسکتا۔ اگر ان دونوں جانب کے دلائل پر معاشرے میں بحث شروع کرادی جائے تو صرف عقلی دلائل کی بنیاد پر یہ مسئلہ کبھی نہیں حل ہو پائے گا۔ اسی طرح کی ہزاروں مثالیں دی جاسکتی ہیں جس میں صرف ''عقل'' کو اپنا رہنما تسلیم کرنے سے معاشرے کے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ مزید بڑھ جائیں گے۔

کیا عقل کی حدود (Limitations) ہیں؟

حواس خمسہ اور عقل کی اپنی حدود ہیں اور ان کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے، جس سے آگے وہ کام نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں، ان کا علم صرف عقل کے ذریعے سے نہیں ہو سکتا مثلاً دیکھنے، سونگھنے اور سننے کے کام عقل سے نہیں لئے جا سکتے۔ اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہو سکتیں مثلاً کسی شخص کو دیکھ کر عقل ہی کے ذریعے اس کے والدین اور خالق کے بارے میں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ سوچنے اور نتیجہ نکالنے کا یہ کام آنکھ، کان یا ناک کے ذریعے سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ الغرض جہاں تک حواسِ خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواس خمسہ کام چھوڑ جاتے ہیں، وہیں سے عقل کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن یاد رکھنے کی بات ہے کہ

عقل کی رہنمائی بھی لامحدود (Unlimited) نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ایک حد پر جا کر رُک جاتی ہے اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے۔ مثلاً عقل یہ تو بتا سکتی ہے کہ کسی شخص کا کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے لیکن وہ خالق کون ہے، اس نے مخلوق کو کیوں پیدا کیا، خالق نے اس پر کون کون سے فرائض عائد کئے ہیں، ایسے سوالات ہیں جن کے جوابات عقل اور حواس مل کر بھی نہیں دے سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان جیسے ہزاروں سوالات کے جوابات دینے کے لئے انسان کو ایک تیسرے ذریعہ سے علم حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جسے وحی کہتے ہیں۔

قابلِ اعتماد ذرائع سے پہنچنے والی سچی خبر (وحی):

علم کا تیسرا ذریعہ ایسی سچی خبر ہے جو انتہائی قابل اعتماد ذرائع سے ہم تک پہنچی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ رہنمائی ''وحی'' بھی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ وحی انسان کے لئے علم کا اعلیٰ ترین ذریعہ ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب فراہم کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعہ حل نہیں ہوتے لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ وحی مطلق (Absolute) چیز ہے اور اس میں چیزوں کا اچھا یا برا ہونا بھی مطلق (Absolute) اور عالمگیر (Universal) ہے۔ اگر انسان وحی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

خالقِ کائنات اور وحی کے بارے میں جدید طبقے کے سوالات اور ہمارا میڈیا:

جب کوئی شخص ٹی وی دیکھتا ہے، اخبار پڑھتا ہے یا کسی رسالے کا مطالعہ کرتا ہے تو اُس

کی سوچ اُسی کے مطابق ڈھل جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ میڈیا سے اثر نہیں لیتا تو اس کا یہ سمجھنا انسانی فطرت کے خلاف ہے کیونکہ ہر انسان کسی نہ کسی شخص یا چیز سے ضرور اثر قبول کرتا ہے چاہے وہ مانے یا نہ مانے اور اور چاہے اسے معلوم ہو یا نہ ہو۔ دورِ حاضر کے آزاد میڈیا کے منفی اثرات میں ایک یہ ہے کہ با قاعدہ منصوبہ بندی کے تحت لوگوں کے ذہنوں میں اسلام اور اس کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق شکوک وشبہات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر طلباء پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے بنایا؟ کیونکہ سائنس اور انجینئرنگ تو ہمیں یہی کہتی ہے کہ ہر ایک چیز کا کوئی خالق ہوتا ہے۔ میں ان کو مختصراً یہی جواب دیتا ہوں کہ اگر بالفرض ایک لمحہ کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے پہلے بھی کوئی ہستی تھی، جس نے اللہ تعالی کو پیدا کیا، تو جس نے اللہ کو پیدا کیا اس کو بھی کسی نے پیدا کیا ہوگا، اور اس طرح اگر ہم پیچھے چلتے جائیں گے تو کہیں نہ کہیں ہمیں رکنا ہوگا۔ جہاں پر ہم رک جائیں وہی ہمارا اور آپ کا اللہ ہے۔ آپ نے کہیں نہ کہیں تو رکنا ہوگا، اور اگر آپ لا متناہیت (infinity) کی طرف چلتے ہیں، تو ہم بھی آپ کے ساتھ لا متناہیت کی طرف چلتے ہیں جب تک آپ اللہ تک نہ پہنچ جائیں۔

دوسرا یہ نقطہ بھی قابل غور ہے کہ بِگ بینگ (Big Bang) کے نظریئے کے حامی ایک نامور سائنسدان سٹیفن ہاکنگ (Stephen Hawking) کہتے ہیں کہ بِگ بینگ سے پہلے کیا تھا، ایک فضول سوال ہے۔ (The Grand Design, p.109) کیونکہ جب زمان و مکان (Time and Space) کا آغاز ہی بِگ بینگ سے ہوا تو اس سے پہلے کیا تھا؟ کا سوال ہی غیر

ضروری ہے۔لیکن مذہبی لوگ جب خدا کی ابتدا اور انتہا کے متعلق یہی جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو خود زمان و مکان (Time and Space) کا خالق ہے لہٰذا یہ سوال ہی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کیا تھا تو اس جواب کو غیر سائنسی اور غیر منطقی (illogical) جواب قرار دے کر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

قرآن مجید اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیتا ہے:

''وہی اول بھی ہے، اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے، اور چھپا ہوا بھی، اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے۔'' (سورۃ الحدید: آیت ۳)

اللہ تعالیٰ اول اس معنی میں ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی، اور وہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ وہ آخر اِس معنی میں ہے کہ جب اس کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی، تو وہ اس وقت بھی موجود رہے گا۔ وہ ظاہر اس لحاظ سے ہے کہ اس کے وجود، اس کی قدرت اور اس کی حکمت کی نشانیاں اس کائنات میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں جو اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ موجود ہے، اور چھپا ہوا اس معنی میں ہے کہ یہاں دنیا میں وہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔

چیزوں کے آغاز وانجام کے بارے میں سوچنا دراصل ایک فطری بات ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ہر چیز کو ایک سیدھے خط (Straight Line) کی طرح تصور کرکے اس کیلئے دو نقاطِ آغاز وانجام (Two start and end points) لازمی سمجھتا ہے۔لیکن اگر ہم سیدھے خط (Straight Line) کے بجائے دائرے (Circle) کو ذہن میں رکھ کر سوچیں تو جس طرح دائرے کا ہر نقطہ (Point) آغاز بھی ہے اور انجام بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات خود اول بھی

ہے، آخر بھی ہے۔

کیا کائنات خود بخود وجود میں آئی؟

ملحدین (Atheist) کا ایک بڑا گروہ کہتا ہے کہ کائنات خود بخود ہی بن گئی ہے، حالانکہ یہ سوال ہر عقل و سمجھ رکھنے والے شخص کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ مادہ (Matter) میں اتنا فہم اور شعور کہاں سے پیدا ہوا کہ اس نے اپنے لیے خود ہی قوانین مقرر کر لئے اور پھر ان قوانین کی پابندی بھی کرنے لگا۔ اور جن لوگوں کا خیال ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء قوانین فطرت (Laws of Nature) کے نتیجے میں وجود میں آئے اور اب انہی پر عمل کر رہے ہیں تو اس پر بھی یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ مادے کو قوانین فطرت کے بارے میں کیسے علم ہوا؟ اور فطرت بذاتِ خود کیا چیز ہے؟ اس کا مبداء (Origin) کیا ہے؟ فطرت سے پہلے کیا تھا؟

گویا مُلحدین اگرچہ مذہب کے بتائے ہوئے خدا کو نہیں مانتے لیکن وہ اس کائنات کا ایک خالق (Creator) ضرور مانتے ہیں اور وہ خالق ان کی نظر میں قوانین فطرت (Laws of Nature) ہے۔ یہ بات بھی سمجھنی چاہیئے کہ بِگ بینگ وغیرہ ابھی نظریہ (Theory) ہے، مشاہدہ (Observation) یا تجربہ (Experiment) نہیں ہے۔ اور کسی سائنسدان کی بات پر یقین کر کے اس کے کسی پیش کردہ سائنسی نظریہ پر ایمان لانے اور کسی مذہبی عقیدے پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ کسی عام آدمی کے پاس وہ ذرائع ہیں ہی نہیں جن کی مدد سے وہ کسی سائنسدان کے نظریئے کی تصدیق کر سکے چنانچہ اس کا سائنسدانوں کی بات پر اندھا اعتماد کر کے اسے درست سمجھنا دراصل اس پر ایمان ہی لانا ہوتا ہے۔

لہٰذا بہتر یہ ہے کہ سائنسدانوں پر ایمان لانے کے بجائے وحی کی تعلیمات پر ایمان لایا جائے۔

(نوٹ: مُلحد سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی بھی خدا یا مذہب کو نہیں مانتے، ان کے نزدیک یہ پوری کائنات اور اس میں موجود یہ زندگی محض ایک حادثے کا نتیجہ ہے۔ انہیں دہریے بھی کہتے ہیں۔ اکثر ملحدین سائنسدانوں کی بِگ بینگ تھیوری (نظریئے) کا سہارا لیتے ہیں جس کے مطابق یہ کائنات ابتدا میں محض ایک نقطہ تھی اور پھر ایک عظیم دھما کہ یعنی Big Bang ہوا جس سے یہ پوری کائنات وجود میں آئی)

اتفاقات کی دنیا؟ (World of chances!!):

بعض سائنسدان اور ملحدین کے مطابق بگ بینگ کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ ایک اتفاقیہ واقعہ تھا، اتفاقاً زمین بن گئی، اتفاقاً اس میں زندگی کے لئے سازگار ماحول بن گیا، اتفاقاً ہی زندگی پیدا ہوئی، اتفاقاً ہی ارتقاء کا عمل شروع ہوا، پھر اتفاقاً انسان بن گئے، غرض یہ کہ پوری دنیا اور ہماری پیدائش تک سب کچھ ایک اتفاق کا نتیجہ ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہتی ہے کہ بگ بینگ کے شروع کے چند سیکنڈز میں وہ تمام ضروری قوتیں (کشش ثقل وغیرہ) وجود میں آئیں جو اس کائنات کی تشکیل اور زندگی کے آغاز کے لئے ضروری تھیں۔

اس کا دوسرا مطلب یہ نکلتا ہے کہ کائنات کی تشکیل کے وقت کوئی ذہانت بھرا ذہن موجود تھا، جس نے ہر ضروری چیز کو پیدا کیا اور اتنی ہی مقدار اور قوت کے ساتھ پیدا کیا جو زندگی گذارنے اور کائنات کا نظام چلانے کے لئے ضروری تھی۔ لیکن ظاہر ہے اس ''ذہین خالق'' کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ خدا کے وجود کو تسلیم کرلیا جائے یا ایک خالق کو مان لیا جائے، جس کو ماننے کے

لئے ملحدین تیار نہیں۔

ماہرین فلکیات کے مطابق اس وقت کائنات میں ان گنت (Numerous) کہکشائیں (Galaxies) موجود ہیں جس میں سے ہر ایک کہکشاں میں کھربوں (Billions) ستارے، سیارے اور دیگر اجرام فلکی پائے جاتے ہیں۔ یہ تمام کہکشائیں ایک نامعلوم مقام کی طرف رواں دواں ہیں۔ ہماری زمین اِن لاتعداد کہکشاؤں میں سے ایک کہکشاں ملکی وے (Milky Way) کا ایک ننھا سا ذرہ (Tiny particle) ہے۔ زمین بیک وقت نہ صرف اپنی کہکشاں کے ساتھ محو سفر ہے بلکہ یہ اپنے محور اور سورج کے گرد بھی گردش کر رہی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ زمین اپنے محور پر بالکل سیدھی نہیں کھڑی، بلکہ اس کا محور عمود کے ساتھ ۵ ۲۳ درجے (23.5°) کا زاویہ بنائے ہوئے ہے، جس کی بدولت دنیا کے مختلف خطوں میں موسموں کا تغیر و تبدل ہو رہا ہے۔

اگر بالفرض زمین کے اِس جھکاؤ میں تین درجے (3°) کا فرق آجائے تو زمین کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ گرم علاقوں میں گرمی سمندروں کو خشک کر دے گی اور انسان و حیوان کو جلا کر راکھ کر دے گی جبکہ ٹھنڈے علاقوں کے سمندر اور حیوان منجمد ہو جائیں گے۔ کیا ان سب باتوں کے باوجود بھی کائنات کی تخلیق کو محض ایک اتفاقی حادثے کا نتیجہ سمجھا جائے گا؟ کیا کبھی کسی اتفاقی حادثے سے تاج محل، دیوارِ چین، گولڈن گیٹ برِج (Golden Gate Bridge) وغیرہ یا ان سے کوئی بہت معمولی درجے ہی کی کوئی عمارت وجود میں آئی ہے؟ اس بات کو ماننے کے لئے تو کوئی تیار نہیں لیکن عجیب بات ہے کہ اس سے کئی گنا حیرت انگیز واقعہ "تخلیقِ کائنات" کو اتفاقی حادثہ قرار دیا جا رہا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لئے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ضروری ہے؟

منکرین خدا کا ایک گروہ خدا کا انکار اس لئے بھی کرتا ہے کہ خدا نظر نہیں آتا۔ یہ بڑی نادانی کی بات ہے کہ کسی چیز کا محض اس لئے انکار کیا جائے کہ وہ نظر نہیں آتی یا وہ ہمارے احاطۂ علم (Scope of knowledge) سے باہر ہے۔ کتنے لوگوں نے اپنی آنکھ سے بیکٹیریا، وائرس اور ایٹم (Atom) جیسی چیزیں دیکھی ہوئی ہیں؟ کیا ان چیزوں کا نظر نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان چیزوں کا وجود ہی نہیں؟ اگر کوئی ناسمجھ ان چیزوں کا انکار بھی کرتا ہے تو سمجھ دار لوگ اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

ہماری روزمرہ زندگی میں نظر نہ آنے والی مگر بہت واضح مثال بجلی کی ہے۔ کتنے لوگوں نے تاروں میں دوڑتی ہوئی بجلی دیکھی ہے؟ لیکن سب لوگ مانتے ہیں کہ بجلی ایک چیز ہے جو باوجود نظر نہ آنے کے بلب کو روشن کر دیتی ہے، اور بلب کا روشن ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ بجلی موجود ہے۔ اگر بلب کی روشنی کے لئے بجلی کی قوت ضروری ہے تو کیا سورج جیسے دیوہیکل قمقمے کو روشن رکھنے کے لئے کسی قوت کی ضروت نہیں؟ یقیناً ہے اور وہ قوت ''قدرتِ الٰہی'' ہے۔ یہی قوت فضاء میں معلق ان گنت سیاروں، ستاروں اور دیگر اجرام فلکی کو بھی بغیر کسی نظر نہ آنے والے سہارے کے سنبھالے ہوئے ہیں۔

کیا سائنس ہمیں ہر ''کیوں'' کا جواب دے سکتی ہے؟

یاد رکھنے کی بات ہے کہ سائنس ہمیں صرف اُن سوالات کا جواب دیتی ہے جو کیا اور کیسے سے شروع ہوتے ہیں۔ سائنس داں صرف یہ بتا سکتے ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کیا ہے؟ اور کیسے

ہو رہا ہے؟ اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ کیوں ہو رہا ہے؟ لفظ ''کیوں'' ان کی لغت (Dictionary) سے ہی خارج ہے۔ مثلاً جیسا کہ پہلے مختصراً عرض کر دیا گیا کہ اکثر سائنسدان بگ بینگ کے جس نظریئے پر یقین رکھتے ہیں وہ کائنات کی ابتداء کیسے ہوئی یعنی (How) کا جواب تو دیتا ہے لیکن کیوں (Why) کا جواب نہیں دے پاتا۔ یعنی سائنس اس بات سے قاصر ہے کہ وہ اس بات کا جواب دے سکے کہ کائنات کیوں بنی اور زندگی کا ظہور کیوں ہوا۔ ڈارون کے جس نظریۂ ارتقاء کو بعض لوگ مانتے ہیں اس کی روشنی میں زندگی لاکھوں کروڑوں شکلیں بدل کر انسان کے روپ میں کیوں ظاہر ہوئی؟ ہم بے ترتیبی کے بجائے یہ قوانین کیوں دیکھتے ہیں؟ اچھائی اور برائی کا وجود کس مقصد کے لئے ہے؟ رات اور دن ایک نظام کے تحت کیوں آتے جاتے ہیں؟ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جانا ہے؟ یہ ان ہزاروں سوالات میں سے چند ایک ہیں جو ہر انسان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا ہم سائنس پر انحصار کر کے ان تمام ''کیوں'' کے جوابات کی جستجو چھوڑ دیں؟ یاد رکھیں اگر ادھورے جوابات اور شکوک کی بنیاد پر اندھی زندگی گزارنی ہے تو سائنس کو رہبر بنالیں ورنہ وَحی کی تعلیمات پر ایمان لے آئیں جو ہمارے ہر ''کیوں'' کا جواب دیتا ہے، کیونکہ اسی کیوں کے جواب کی طلب آپ کو آپ کے خالق تک پہنچا دیگی۔

شکوک وشبہات کے شکار جدید تعلیم یافتہ طبقے کی پہلی بنیادی غلطی:

عقل لامحدود نہیں:

اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت اور وحی کے ذریعے معلوم ہونے والے دیگر علوم کے سلسلے

میں ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے اور وہ یہ کہ جو چیز ان کی عقل اور سمجھ میں نہ آئے تو وہ اسے خلافِ عقل کہہ کر اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں حالانکہ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ انسان کے دیگر حواس اور قوتوں کی طرح عقل کی بھی کچھ حدود ہیں اور وہ لامحدود (Infinite) نہیں ہے۔ عقل صرف ان چیزوں کے بارے میں فیصلہ کر سکتی ہے جو زمان ومکان (Time and Space) کی حدود کے اندر ہوتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ سائنس کی بتائی ہوئی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی حقیقت انسانی فہم پر واضح نہیں لیکن پھر بھی ان پر یقین کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً جدید سائنس کے مطابق جب کسی ستارے کی موت واقع ہوتی ہے تو ایک بلیک ہول بن جاتا ہے جہاں زمان اور مکان (Time and Space) کچھ نہیں ہوتا۔ عام طور پر ہمارے لئے اس حالت کو سوچنا بھی ممکن نہیں مگر عقل اور سمجھ میں نہ آنے کے باوجود جدید سائنس دان اس نظریہ کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔

یہ بات سمجھنا بھی ضروری ہے کہ وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل رہنمائی نہیں کر سکتی اس لئے یہ ضروری ہی نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس (Senses) کا کام ہے، اسی طرح بہت سارے دینی تصورات کی تفصیلات کو معلوم کرنا عقل کے دائرہ اختیار میں آتا ہی نہیں بلکہ یہ ذمہ داری وحی کی ہے۔ اس لئے ایسے تمام معاملات کو سمجھنے کے لئے صرف عقل کو معیار (Standard) بنالینا اور اُس پر بھروسہ کر لینا درست نہیں۔

شکوک وشبہات کے شکار جدید تعلیم یافتہ طبقے کی دوسری بڑی غلطی:

کیا سائنس خدا کا اقرار یا انکار کرسکتی ہے؟

جدید تعلیم یافتہ حضرات کا ایک بڑا طبقہ جو انسان اور کائنات کی تخلیق کے معاملے میں بعض سائنسدانوں کے نظریات سے متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ کی ذات اور وَحی کی تعلیمات کا انکار کر بیٹھے ہیں، دراصل اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ شاید سائنس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے، حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے کیونکہ خدا کے وجود کے انکار سمیت وَحی کی دیگر تعلیمات کا اقرار یا انکار سائنس کا دائرہ کار ہے ہی نہیں۔ سائنس کا دائرہ کار مادہ، توانائی اور ان کے طبعی قوانین (Physical Laws) تک محدود ہے۔ جب کہ خدا اِن قوانین کا خالق ہے اور وہ خود ان تمام چیزوں سے بلند تر (ماورا) ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سائنس کا علم محدود ہے اور اس محدود علم کی بنیاد پر سائنس کے لئے اللہ تعالیٰ کے موجود نہ ہونے کی گواہی دینا ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ یقینی طور پر خدا کی غیر موجودگی کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سائنس مادی اور غیر مادی (یعنی غیب کی) دنیا کا مکمل علم رکھتا ہو۔ جبکہ سائنس کی حالت یہ ہے کہ وہ ابھی تک ہماری کہکشاں، جو کائنات کے ایک انتہائی چھوٹے سے جزو کی حیثیت رکھتی ہے، کے بے شمار رازوں سے بھی پردہ نہیں اٹھا سکی تو وہ خدا کے موجود نہ ہونے کا دعویٰ کیسے کرسکتی ہے۔ انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو سائنس کی تمام نت نئی تحقیقات اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار کے بجائے اقرار ہی کی طرف جاتی دکھائی دے رہی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ سائنسدانوں کے پیش کئے گئے غیر یقینی اور غیر ثابت شدہ نظریات (Theories) کو مان کر، دین اسلام، قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے کسی واضح عقیدے اور

حکم کا انکار کرنا ہرگز درست نہیں، کیونکہ درست اور غلط معلوم کرنے کا معیار (Standard) وحی ہے، سائنس نہیں۔ سائنس کوئی قطعی معیار (Standard) نہیں اور نہ ہی یہ قرآن پاک کے احکامات کو درست تسلیم کرنے کی پڑتال (چیک) کا کوئی ذریعہ ہے۔ سائنسی مثالیں تو محض ان لوگوں کی تسلّی کے لئے پیش کی جاتی ہیں جو صرف سائنس پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ایک سچے مسلمان کے لئے اصل اہمیت اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ہے، چاہے سائنس کی عارضی اور تبدیل ہونے والی تحقیقات اور نتائج اس کو درست سمجھیں یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟

ایک بات یاد رکھیں کہ صرف دلائل اور منطق (Logic) کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کو خالق ماننے کے ساتھ ساتھ دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت، عشق اور عظمت پیدا کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ جب دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت، عشق اور عظمت کا تعلق پیدا ہو جائے تو اس کو پھر زیادہ دلائل کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ تمام شکوک وشبہات ختم ہو جاتے ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ کے تعلق اور قرب کی لذت کو محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کے جسم کا ہر بال اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق، مالک اور رب ہے، اور وہ ایسی ذات ہے جو اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور محبت کرنے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت (Company) میں ایک طویل عرصے تک رہنا پڑتا ہے اور ان کی رہنمائی میں چلنا ہوتا ہے، تب کہیں جا کر یہ عظیم نعمت ملتی ہے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں سوالات کے علاوہ بعض اوقات طلباء یہ بھی پوچھتے ہیں کہ ہمیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ قرآن پاک واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتاب ہے؟

چونکہ طلباء سائنسی تحقیقات سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں اس لئے میں انہیں دیگر دلائل کے علاوہ یہ بتاتا ہوں کہ قرآن کریم کی بعض آیات میں ایسے انکشافات کئے گئے ہیں جن کی تصدیق آج چودہ سو سال بعد سائنس کر رہی ہے حالانکہ ان آیات کو امت تک پہنچانے والے پیغمبر پڑھے لکھے نہ تھے، جو اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ خالقِ کائنات کی طرف سے اتاری گئی ہے۔

قرآن اور سائنس:

مثلاً قرآن مجید میں واضح طور پر یہ ارشاد موجود ہے کہ سورج ساکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔'' (سورۃ یٰسین:38)

کچھ عرصہ قبل سائنس کی تحقیقات یہ تھیں کہ سورج ساکن ہے لیکن بعد میں سائنسدان بھی اس بات کو ماننے پر مجبور ہو گئے کہ سورج مسلسل حرکت میں ہے اور اپنے ایک ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ قرآن کی سچائی کی اور بھی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، مثلاً ماں کے پیٹ میں بچے کی پیدائش کے مختلف مراحل قرآن پاک نے جس طریقے سے بیان کئے ہیں آج ڈاکٹر حضرات ان میں سے اکثر مراحل کو صرف بیس سال پہلے ایجاد کی گئی الٹرا ساؤنڈ ٹیکنالوجی کی وجہ سے درست ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

قرآن پاک کا دعویٰ: قرآن کی طرح کوئی ایک آیت پیش کرو

اس کے علاوہ قرآن ہی میں عرب بلکہ پوری دنیا کو یہ چیلنج دیا گیا تھا کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب نہیں بلکہ کسی انسان کی لکھی کتاب ہے تو وہ قرآن کی طرح کی صرف ایک آیت پیش کر دے۔ اس زمانے کے عربوں کو اپنی زبان پر مثالی عبور حاصل تھا، لیکن اِس کے باوجود وہ قرآن کے مقابلے میں ایک آیت تک نہ لا سکے۔ یہ تمام ثبوت اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ قرآن پاک کسی انسان کی لکھی ہوئی کتاب نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔ اگر ہم اس بات کا اعتراف کر لیں تو پھر ہمیں اس بات کو بھی تسلیم کر لینا چاہیئے کہ جو نظام اللہ نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اس کائنات کو دیا ہے وہ انسان کی کامیابی اور سہولت کے لئے ہے اور اسی کے ذریعے بنی نوع انسان کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

قرآنِ پاک اور سائنس سے متعلق ایک ضروری وضاحت:

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ قرآن پاک درحقیقت سائنس کی کتاب نہیں بلکہ یہ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اس کے خالق کی طرف سے نازل کی گئی ہے جس میں خالق کی پہچان کرانے کے لئے بعض مقامات پر نظامِ کائنات اور اس کے بعض طبعی قوانین بیان کئے گئے ہیں۔ سائنس ان قوانین اور اصولوں کے درست ہونے کی آج تصدیق کر رہی ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ ہر نئی سائنسی تحقیق اور نظریئے کو دین اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے لئے استعمال کرنا اور اس مقصد کے لئے قرآنِ پاک اور احادیث مبارکہ میں غیر ضروری تاویلات کرنا بھی درست طریقہ نہیں، کیونکہ سائنسی نظریات بدلتے رہتے ہیں جبکہ قرآن

پاک اور احادیث مبارکہ میں درج شدہ اصول اور قوانین مستقل ہیں اور قیامت تک تبدیل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اسلام اور سائنس کا اگر کبھی موازنہ (Comparison) کرنا ہو تو صرف ان سائنسی تحقیقات اور نتائج اور اصولوں پر بات ہونی چاہیئے جو محض نظریہ (Theory) کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ تجربات اور مشاہدات کے ذریعے وہ ایک مسلمہ اور ٹھوس حقیقت (Established Fact) کے طور پر ثابت ہو چکے ہوں۔

وحی پر عمل کرنے والے مسلمان مظلومیت کا شکار کیوں ہیں؟

عموماً طلباء کے ذہنوں میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ وحی کی تعلیمات کے ہوتے ہوئے مسلمان کیوں ہر جگہ ظلم کا شکار ہیں، تو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیئے کہ مسلمان شروع سے اس حالت میں نہیں تھے جس میں وہ آج ہیں۔ مسلمان تو صرف پچھلے سو، ڈیڑھ سو سال سے مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں۔ سو سال سے پہلے کی تاریخ دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان دنیا کے حکمران تھے اور انھوں نے کئی یورپی ممالک پر پانچ سو سال تک حکومت کی۔ میں ان ممالک کا دورہ کر چکا ہوں، وہاں پر اسلامی سلطنتوں کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ برصغیر پاک و ہند پر بھی مسلمانوں نے پانچ سو سال سے زیادہ حکومت کی ہے۔ ترکی کے شہر استنبول میں واقعہ توپ کاپے عجائب گھر میں اب بھی وہ اسلحہ موجود ہے جو اس زمانے میں مسلمانوں نے یورپ کے حکمرانوں اور بادشاہوں سے جنگ میں چھینا تھا۔

مسلمانوں کے زوال کی وجوہات:

مسلمانوں پر یہ زوال ایک دن میں نہیں آیا بلکہ اسے اس حالت تک پہنچنے میں کئی سو

سال لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان اس دنیا کی دولت اور عیش وعشرت سے محبت کرنے لگے، اور اسی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھنے لگے۔ عوام وخواص سب محنت سے جی چرانے لگے۔ دینی احکامات پر عمل کرنے میں بھی سستی کی اور دنیاوی علوم اور سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول میں بھی پیچھے رہ گئے۔ پچھلی دوسو سالہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے دین کے دوسرے احکامات کی طرح سورۃ انفال کی اس آیت پر بھی عمل کرنا گوارا نہ کیا:

''اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں، ان سے مقابلہ کے لئے تیار کرو، جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی ہیبت طاری کرسکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنھیں ابھی تم نہیں جانتے، (مگر) اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کروگے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔'' (الانفال:60)

طلباء کے لئے پیغام: دنیا میں کمزوروں کے لئے کوئی جگہ نہیں:

آخری پیغام یہ ہے کہ دورِ حاضر میں دنیا کے تمام قوانین، ضابطے اور مذاکرات صرف کاغذ کے ٹکڑے ہیں جو صرف کمزوروں کے لئے ہیں۔ جس کے پاس طاقت ہے وہ ان کاغذات کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے، اور جو کمزور ہوتا ہے وہی ہمیشہ امن کی بھیک مانگتا ہے اور مذاکرات کرتا رہتا ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر زندگی بسر کرنے کے لئے اور ظلم کرنے والوں کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے آپ کو اتنا طاقتور بننا پڑے گا کہ آپ سے آپ کا حق کوئی چھین نہ سکے۔ آپ کی اپنے دشمن کے خلاف شکایات جائز ہی نہیں کیونکہ دشمن ہمیشہ دشمن ہوتا ہے اور دشمن ہمیشہ

آپ کا استحصال ہی کرتا ہے۔

امت مسلمہ کو زوال سے نکالنے کے لئے طلباء کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عزت واپس لانے کے لئے ہم کیا کر سکتے ہیں؟

ہمارے پاس کئی راستے ہیں جن پر چل کر ہم امت مسلمہ کی ترقی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مایوسی گناہ ہے۔ بس آپ لوگ آج ہی سے محنت کرنا شروع کر دیجئے۔

سب سے پہلے اپنی ذات سے ابتدا کیجئے اور اپنی ذات پر محنت کیجئے۔ دین کے معاملے میں بھی اور دنیاوی فنون کے معاملے میں بھی۔ اپنے آپ سے پوچھیں، کیا آپ ایک سچے مسلمان ہیں؟ اچھا مسلمان ہونے کا مطلب سادہ ترین الفاظ میں یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کتنی محبت رکھتے ہیں اور ان کے احکامات پر کتنا عمل کرتے ہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے نبی ﷺ کے ساتھ محبت اور اطاعت کے اس تعلق اور نسبت کو آپ نے مضبوطی سے قائم رکھا تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابیاں آپ کے قدم چومیں گی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس بات پر فخر کرنا چاہئے کہ ہمیں قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق اور نسبت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان، حضور ﷺ کی مکمل اطاعت اور کامل دین پر عمل کر کے ہی ہم امت مسلمہ کو محکومی سے نکال سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کر کے دشمن کے مقابلے میں قوت حاصل کرنا اور انسانوں کی فلاح کے لئے محنت اور کوشش کرنا ہمارے دین کا ہی ایک اہم حکم

ہے جس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہماری امت آج زوال کا شکار ہے۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ اگر مسلمان دینی اور دنیاوی دونوں علوم وفنون میں محنت کریں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں دوبارہ سپر پاور بننے سے نہیں روک سکتی۔ (ان شاء اللہ)

اتحاد: وقت کی اہم ترین ضرورت

اس کے علاوہ ایک اور چیز جو بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ ہم متحد ہوں اور متحد تب ہونگے جب ہم علاقائی اور قومی تعصب پر مبنی نعرے لگانا چھوڑ دیں کہ ''ہم سعودی یا اردنی یا پاکستانی ہیں، اور ہم باقی مسلمانوں سے افضل ہیں۔'' اپنے ملک پاکستان میں بھی ہمیں سندھی، پنجابی، پٹھان، بلوچ اور مہاجر کے نعرے ختم کرنا ہوں گے بلکہ ہمیں صرف یہ سمجھنا چاہئے کہ ''ہم مسلمان ہیں اور ہم سب ایک ہیں۔'' ہمیں یہ بات دوسروں تک پہنچانی چاہئے اور ابتدا اپنی ذات سے کرنی چاہئے۔

ہمارا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اور روزِ آخرت پر مضبوط ہونا چاہئے اور ہماری عبادات، ہمارے معاملات (Dealing)، معاشرت (Social Interaction) اور اخلاقیات مثالی ہونی چاہئیں۔ دل میں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے درد ہونا چاہئے۔ یاد رکھئے یہ خصوصیات آپ کے اندر تب تک پیدا نہیں ہوسکتیں جب تک آپ ان خصوصیات اور صفات رکھنے والے اللہ کے نیک بندوں (اولیاء اللہ) کے ساتھ اصلاح، محبت اور تربیت کا تعلق قائم نہ کرلیں۔

دورِ حاضر میں تبلیغی جماعت کی ترتیب بھی بہت مفید ترتیب ہے جس کے ساتھ منسلک ہو کر آپ کی زندگی میں مثبت تبدیلی آسکتی ہے۔ میں بہت سارے ایسے ممالک میں گیا ہوں جہاں بمشکل کوئی مسلمان آبادی ہوگی لیکن تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے حضرات وہاں ضرور موجود

ہونگے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام پہنچا رہے ہونگے۔

دوسرا ذریعہ ہمارے پاس تصوف کا ہے۔یعنی اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے کسی کامل اللہ والے سے تعلق قائم کرنا۔ پشاور یونیورسٹی میں حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف تبلیغ کی داغ بیل ڈالی بلکہ تصوف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دئے۔ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ پشاور یونیورسٹی میں شعبۂ عربی (Arabic Department) کے چیئرمین تھے اور پچیس سال پشاور تبلیغی مرکز کے امیر رہے ہیں۔مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم نے پشاور یونیورسٹی میں اصلاح وارشاد (تصوف) کا سلسلہ جاری رکھا اور اب ریٹائرمنٹ کے بعد یونیورسٹی ٹاؤن کے قریب گاؤں ''پاوکے'' سے ملحق علاقہ ''آفریدی گڑھی'' میں روحانی تربیت سے لوگوں کو فیض یاب کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خیبر میڈیکل کالج میں شعبۂ اناٹمی (Anatomy Department) کے چیئرمین تھے۔

اسی سلسلے میں ہمارے بھی ہفتہ وار دو بیانات بروز جمعرات مکان نمبر P-9 یونیورسٹی کیمپس اور بروز پیر انجینئرنگ ٹرائبل ہاسٹل میں ہوتے ہیں۔

طلباء کا جہاد:

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلباء کا جہاد یہ ہے کہ سب سے پہلے تو ایک اچھا اور باکردار مسلمان بنیں اور صحیح طریقے سے اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے ملک اور امت مسلمہ کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کریں۔ زندگی کے تمام معاملات میں سچائی اور ایمانداری سے کام لیں۔ٹیکنالوجی

کے میدان میں نئی سے نئی ٹیکنالوجی بنانے کے لئے محنت کریں تاکہ مسلمان ممالک مضبوط ہوں اور وہ غیراسلامی حکومتوں پر انحصار نہ کریں۔ یاد رکھیں! جہاد کا مطلب صرف لڑنا نہیں ہے بلکہ ان تمام کوششوں کا نام جہاد ہے جو دین اسلام کی سربلندی کے لئے کی جائیں۔ البتہ یہ ضرور ہے اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے اسلحے کے ذریعے دشمنوں سے لڑنا جہاد کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

ہر عمل کرتے وقت اس بات کی فکر کریں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی کیا تعلیمات ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کیسے راضی کرنا ہے۔ ہم سب نے ایک دن مرنا ہے، ایک دن یا ایک رات ایسی ہوگی جو کہ ہماری زندگی کا آخری دن یا رات ہوگی۔ یہ زندگی بہت تھوڑی ہے، اسے ضائع نہ کریں۔ اگر ہم اپنی زندگی مغربی ممالک کے لوگوں کی طرح بغیر کسی مقصد کے گزار دیں اور صرف پیسہ کمانے اور عیاشی کرنے کو اپنا مقصد بنالیں تو اس سے بڑی ناکامی کوئی نہیں ہوسکتی۔

میں بیان کا اختتام شاعرِ مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے اِس شعر پر کرتا ہوں ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

یعنی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، جو کہ تقدیروں کا مالک اور قاضی ہے، یہ فیصلہ شروع سے ہو چکا ہے کہ دنیا میں ضعیفوں اور مر مر کر رہنے والوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور ان کی اس بات کی سزا صرف موت ہے۔ اگر رہنا ہے تو مضبوط اور طاقت ور کی طرح رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

موجودہ الیکشن

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

الیکشن مکمل ہوا۔نتائج سب کے سامنے آ گئے ۔انجینئرنگ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ارشاد ملنے کے لئے آئے ۔ان کا نوعمر بھانجہ بھی ساتھ تھا۔ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ لڑکا الیکشن کے دن بنوں جانے لگا۔کوئی سواری نہیں مل رہی تھی ایک گاڑی آئی جو ایک ایک آدمی سے ہزار روپے لے رہی تھی ۔اس نے ہزار روپے دیئے اور پی ٹی آئی کو ووٹ ڈالنے کے لئے بنوں پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب نے کسی خاندان کی عورت کا واقعہ سنایا کہ وہ لاہور سے پشاور آئی، لاہور میں گھر پر کوئی نہیں تھا، اپنے بچوں کو سمجھا کر گھر میں بند کر کے سیدھی پشاور پہنچی اور ووٹ ڈالتے ہی فی الفور واپس چلی گئی۔ایک ساتھی نے بتایا کہ ایک ضعیف العمر بابا سے پوچھا ووٹ کسے دیا، اس نے پشتو میں بتایا کہ سوباڑے کو دیا۔آج سے پچاس سال پہلے کے دور میں سوباڑے ایک لکڑی ہوتی تھی جو بیٹ کی طرح ہوتی تھی۔اس لکڑی سے گیلے کپڑوں کو پیٹتے تھے تاکہ میل نکل جائے۔ بابا سے نمائندہ (Candidate) کا نام پوچھا۔اس نے کہا: ''مجھے کچھ پتہ نہیں، بس میں نے سوباڑے کو ووٹ دے دیا۔'' ایک حاجی صاحب نے بتایا کہ جب میں ووٹ کے لئے جا رہا تھا تو چھوٹی بچی نے پکڑ لیا اور تاکید کی کہ ووٹ بلے کو دیں۔

ان واقعات کے سنانے کا مقصد یہ تھا کہ قوم نے اتنی چاہت، محبت اور اعتماد کے ساتھ پی ٹی آئی کو ووٹ دیا۔ہم امید کرتے ہیں کہ پی ٹی آئی اور خاص طور سے عمران خان قوم کو اس کے اعتماد اور محبت کا مثبت جواب دیں گے۔اسی (80) فیصد قوم کو اپنے دین سے والہانہ محبت

ہے، اس لئے قوم چاہتی ہے کہ دین کے سلسلے میں کسی مغربی ایجنڈے کو سامنے رکھ کر نہ چلا جائے اور ان کے دباؤ میں آ کر پچھلی حکومتوں کی طرح تبدیلیوں کی جرأت نہ کی جائے۔ قوم اس انتظار میں ہے کہ ملک کو لوٹ کر پیسہ باہر نکالنے والوں کی سخت گرفت ہو اور ان سے ایک ایک پائی وصول کی جائے۔ امریکہ کی جنگ اپنے ملک میں لانے سے جو کھاڑ پچھاڑ ہوا اور علاقے کے علاقے خالی کرا کرا اپنے عوام کو در بدر کیا گیا، ان بے کسوں کی دادرسی ہو۔ وہ سیاسی دیوالئے جو قوم کے کروڑوں روپے قرض لے کر اور معاف کرا کے گل چھرے اڑا رہے ہیں، ان سے قومی پیسے کی پائی پائی وصول کی جائے۔

جس طرح صوبہ خیبر پختونخواہ کی حکومت میں پی ٹی آئی نے میرٹ کی بحالی، رشوت کی روک، پولیس کو عوام کے حقوق سکھانا، دور دراز کسمپرس علاقوں میں ترقیاتی کام جیسے اقدامات کیئے، ایسی ہی کارکردگی پورے ملک میں کر کے دکھانے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ ہو گیا تو مستقبل میں پوری قوم اس سے زیادہ بھاری مینڈیٹ کے ساتھ آپ کا استقبال کرنے کے لئے تیار کھڑی ہے۔

☆☆☆☆☆

خدا کا شکر ہے بیشک بڑی تقدیر رکھتے ہیں

جو ہے ہر طرح سے کامل ہم ایسا پیر رکھتے ہیں

محبت جس نے کی تم سے خدا کو پالیا اس نے

تمہارے چاہنے والے بڑی تقدیر رکھتے ہیں

(ڈاکٹر عزیز الرحیم صاحب، میڈیکل سپیشلسٹ، سوات)

غیرتِ ایمانی کے تقاضے

(جناب ڈاکٹر وقار احمد صاحب، لیکچرار خیبر میڈیکل کالج، پشاور)

چند دن پہلے امریکہ میں ایک استاد نے کہا کہ ہمیں طلباء کو عربی اعداد (Numbering) بھی سکھانے چاہئیں۔ اس پر پہلے مقامی لوگوں نے اس کے سامنے ردعمل کیا اور پھر انٹرنیٹ پر اس کے خلاف مہم شروع کی گئی کہ اگر آپ کو عربی اعداد اتنے ہی پسند ہیں تو آپ عرب ممالک چلے جائیں۔

ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے اتنی شدید نفرت ہے اور یہ ان کے دماغوں میں ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان کے ممالک کی طرف سے مسلسل انڈیلی جارہی ہے۔ دوسری طرف ہمارے مسلمان بھائی گستاخانِ رسول ﷺ کی مصنوعات جیسے قادیانیوں کی مصنوعات (شیزان کی جملہ مصنوعات، یونیورسل سٹیبلائزر، شاہ تاج شوگر مل، پنجاب آئل مل، کین آلو آئل، سمرقند شربت، وغیرہ)، نیدرلینڈ (ہالینڈ) کی مصنوعات (شیل پٹرولیم کمپنی)، فلپس الیکٹرانکس کمپنی، ڈوو (Dove) کے صابن و دیگر مصنوعات، یونی لیور کے صابن، شیمپو، لریم، خوشبوئیں، ٹوتھ پیسٹ، سرف اور کئی گھریلو استعمال کی چیزیں) اور دوسرے حربی کفار (جو مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہوں) کی پیداوار (Products) کا مقاطعہ (Boycott) تک کرنے کے لئے تیار نہیں اور یہ بے حسی پوری امت مسلمہ میں ہے، کیا عوام، کیا لیڈر، کیا علماء، کیا تبلیغی حضرات۔

☆☆☆☆☆

ایک اہم خط

قابل قدر علمائے کرام ومشائخ عظام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے امید ہے آپ صحت وعافیت کے ساتھ ہوں گے۔ ہم امارتِ اسلامیہ افغانستان کے منسوبین ومتعلقین اور تمام افغان عوام کی نمائندگی کے ساتھ نیک تمنائیں اور اسلامی اخوت کی محبتیں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں افغانستان گزشتہ سترہ سال سے وقت کے سب سے بڑے طاغوت امریکہ کی جارحیت کا شکار ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ افغانستان اس کی ایک مقبوضہ ریاست بن جائے۔ وہ یہاں عسکری مراکز اور انٹیلی جنس اڈے قائم کرے، تاکہ جنوبی ایشیاء وسط ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کے سنگم پر واقع اسلامی دنیا کے اہم ترین خطے ''افغانستان'' کی اسٹریٹیجک حیثیت استعمال کر کے عالمِ اسلام کو کمزور اور ختم کرنے کی سازشیں کر سکے۔ اگر امریکہ افغانستان سے متعلق اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے پاکستان، ہندوستان اور وسطی ایشیا اور عرب ممالک میں بھی اسلامی فکر، مدارسِ دینیہ، علمائے کرام اور دیندار مسلمانوں کے مصائب ومشکلات میں اضافہ ہوگا۔ مذکورہ ممالک کی مسلم آبادی بھی مغربی شیطانی دسیسہ کاریوں (فریب کاریوں) کا ہدف بنے گی۔ لادینیت اور گمراہی زور پکڑے گی۔ مغرب کی حمایت اور تعاون سے سیکولر طبقہ اور فساق وفجار مضبوط ہوں گے۔ امت مسلمہ کے زوال کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگا۔ ماضی قرب کے عظیم مفکرین علامہ اقبال، شکیب ارسلان،

ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر نے افغانستان کو ایشیا اور اسلامی دنیا کا ’’دل‘‘ قرار دیا ہے۔ اگر خدانخواستہ امریکہ مسلم دنیا کا دل اجاڑنے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس طرح امت مسلمہ اور دینی سلسلوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اسلام کے سچے پیروکاروں کے خلاف موجودہ خطرات میں کئی گنا اضافہ ہوگا۔

تاریخ کی اس خطرناک موڑ پر نجات کا راستہ یہ ہے کہ افغانستان میں امریکی جارحیت کے خلاف امارت اسلامیہ ’’افغانستان کی جہادی صف‘‘ کو مضبوط کیا جائے۔ اسے جانی، مالی، اخلاقی اور روحانی تعاون اور حمایت بہم پہنچائی جائے۔ للہ الحمد! امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین نے سترہ (۱۷) سال تک اڑتالیس (۴۸) کفریہ جارح قوتوں (NATO) کے خلاف استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے اب بھی برطانیہ اور سویت یونین کی طرح امریکی جارحیت کو شکست دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں، امریکہ افغانستان میں کامیاب ہونے کے لئے اس سترہ سالہ دور میں اپنی تمام تر عسکری طاقت آزما چکا ہے۔ وہ اپنے اسلحہ گودام کے تمام تر خطرناک ہتھیار استعمال کر چکا ہے۔ ہر طرح کی حکمتِ عملی بروئے کار لا چکا ہے، جبکہ کامیابی کا اب بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ گزشتہ سال اسلام و عالم اسلام کے سخت دشمن، امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے افغانستان کے لئے اپنی نئی حکمتِ عملی سامنے لائی۔ ٹرمپ کی حکمت عملی کے ایک حصہ کے طور پر افغانستان میں امریکی درندہ صفت فوج کے سربراہ جرنل نکلسن نے اٹھارہ مارچ ۲۰۱۸ء کو ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا:

’’امریکہ اس سال طالبان (امارتِ اسلامیہ) پر مختلف طریقوں سے دباؤ بڑھانا چاہتا ہے۔ ہم طالبان پر عسکری، سیاسی، حتیٰ کہ مذہبی دباؤ بھی ڈالیں

گے تاکہ وہ جنگ سے دست بردار ہو جائیں۔ مذہبی دباؤ سے میرا مطلب یہ ہے کہ افغانستان، پاکستان اور کچھ دیگر ممالک کے مسلم علماء کی کانفرنسیں منعقد کی جائیں گی۔ ان کانفرنسوں میں طالبان کے خلاف فتاویٰ جاری کر کے ان کے جہاد کی شرعی حیثیت کو اسلامی نقطہ نگاہ سے چیلنج کیا جائے گا۔''

اب جبکہ ان کانفرنسوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ: ''عنقریب کابل، اسلام آباد اور سعودیہ میں بھی ایسے اجتماعات منعقد کئے جائیں گے'' ہم علمائے کرام اور مشائخ عظام سے یہ درخواست اور مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسی کانفرنسوں میں شرکت محض سے بھی احتراز کیا جائے۔ کیوں کہ سمجھنے کی پہلی بات یہ ہے کہ اگرچہ اس کانفرنس کا موضوع اور عنوان دینی ہے، اس میں عالمِ اسلام کے مسائل پر بھی بات کی جاتی ہے، اسے مسلم علماء کی مجلس قرار دیا جاتا ہے، مگر اس کا ہدف اور مقصد غلط ہے۔ اس کا اصل محرک اسلام کا شدید مخالف امریکہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ان کانفرنسوں کے ذریعے افغانستان میں جاری جہاد کو کمزور کر سکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علمائے کرام اس طرح کی کانفرنسوں میں جس نیت سے بھی شریک ہوں، جس مجبوری کی وجہ سے بھی شرکت کریں، دشمن بہر حال آپ کی وہاں شرکت محض سے بھی فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے اجتماعات میں علمائے کرام جتنی بھی حق بات کہہ لیں، دشمن اسے کوئی اہمیت نہیں دے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ دشمن کانفرنس کی انہی باتوں کو اچھال کر پروپیگنڈہ کرے گا، جو اس کے حق میں ہوں گی۔ آپ نے دیکھ لیا کہ انڈونیشیا کانفرنس میں کچھ شیوخِ کرام نے کتنی اچھی اور معقول باتیں کہیں، مگر میڈیا نے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی۔ حتیٰ کہ ان پر سرسری تبصرے سے بھی گریز کیا۔ صرف وہی کچھ میڈیا اسکرین پر نمایاں کیا جو امریکی مفاد میں

تھا۔حتیٰ کہ بعدازاں علماء کو بدنام کرنے کے لئے یہ بات بھی پھیلائی گی کہ کابل انتظامیہ اور انڈونیشیا حکومت نے علماء کو ڈالروں کے پیکٹ دئے تھے، یعنی امریکہ ہر حال میں اپنی شیطانی مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے۔اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اس طرح کی کانفرنسوں میں شرکت، علماء کی معاشرتی ساکھ کو نقصان پہنچاتی ہے۔جس سے علماء، طلباء، عام مسلمان اور مجاہدین کے درمیان بداعتمادی کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔جن قابلِ قدر علمائے عظام نے ساری زندگی مدرسہ و مسجد کے استغناء میں گزاردئے ہیں جو کہ للہ فی اللہ امت مسلمہ کے شاندار مستقبل کے لئے ایک عظیم دینی خدمت ہے، ایسی مجالس میں شرکت سے ان کی سالہا سال کی محنت ومشقت سے قائم ہونے والا شخصی و دینی وقار ضائع ہوکر رہ جاتا ہے۔ان کی شخصیت کا احترام کمزور ہوجاتا ہے۔نیتجتاً عوام میں ان کا تعارف ''حکومتی'' اور ''درباری ملا'' والا بن جاتا ہے۔

ہماری نظر میں اسلام، مسلمانوں اور خود علمائے کرام کی عزت وتوقیر اور خیر و بھلائی اس میں ہے کہ ایسی مجالس سے گریز کیا جائے تاکہ اسلام دشمن قوتیں انہیں اپنے شیطانی اہداف کے لئے استعمال نہ کرسکیں۔اللہ رب العزت ہم اور آپ سب کو دشمن کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ فرمائے۔آمین۔فی امان اللہ۔

آسیا یك پیکرِ آب و گل است ملت افغاں درآں پیکر دل است

از صلاحِ او صلاحِ آسیا وز فسادِ او فسادِ آسیا

(ترجمہ: ایشیا ایک پانی اور مٹی کا جسم ہے، اس جسم میں ملتِ افغانستان دل کی طرح ہے۔اس کی اصلاح سے ایشیا کی اصلاح ہے اور اس کے فساد سے ایشیا کا فساد ہے)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔امارتِ اسلامیہ افغانستان

ایک انٹرویو کی روداد

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

زبانی امتحان کو انٹرویو کہتے ہیں۔ مختلف محکموں میں بھرتی کیلئے حکومت کا ایک شعبہ ہے پبلک سروس کمیشن، اس میں پہلے ٹیسٹ ہوتا ہے، ٹیسٹ پاس ہو جائے تو اس کے بعد زبانی امتحان یا انٹرویو ہوتا ہے۔ اس ادارے کا سربراہ عموماً صوبے کا قابل، تجربہ کار، محنتی اور اچھی شہرت کا مالک ریٹائرڈ سینئر افسر ہوتا ہے۔ اس طرح ممبران بھی اوپر لکھی ہوئی خصوصیات والے لوگ ہوتے ہیں۔ انحطاط کے اس دور میں اس بارے میں کوتاہیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔

اس ادارے میں بندہ کے داماد ڈاکٹر سید فہیم شاہ صاحب ایف۔سی۔پی۔ایس میڈیسن کا انٹرویو ہونا تھا۔ یہ انٹرویو ڈسٹرکٹ سپیشلسٹ کی پوسٹ کیلئے تھا۔ ان دنوں ادارے کے چیئرمین عبداللہ صاحب تھے۔ عبداللہ صاحب بہت قابل، انتھک محنتی، بہت دیندار اور دیانت دار افسر تھے۔ صوبہ سرحد کے چیف سیکریٹری رہ چکے تھے۔ بندہ کے واقف اور مہربان تھے۔ ڈاکٹر فہیم صاحب خوش تھا کہ میں اس کی سفارش کروں گا۔ میں نے فہیم شاہ سے کہا کہ عبداللہ صاحب ایسے افسر ہیں کہ ان کے پاس سفارش کرنے کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ اگر آپ اہل ہوئے تو ضرور منتخب ہوں گے، نہ ہوئے تو انہیں کسی سفارش وغیرہ سے متاثر نہیں کیا جا سکتا۔

فہیم صاحب انٹرویو کیلئے گیا۔ واپسی پر میں نے پوچھا کہ انٹرویو کیسا رہا۔ اس نے بتایا کہ عبداللہ صاحب نے بہت سخت سوالات کئے اور بہت تنگ کیا۔ میں نے پوچھا کیسے سوالات

تھے؟ دیگر سوالوں کے علاوہ اس نے بتایا کہ ایک سوال یہ پوچھا کہ آپ کے پرائمری سکول کے ایک استاد تھے، انھوں نے آپ کو پڑھایا، بہت محنت کی آپ پر، بہت احسانات کیئے، بارش میں ان کا مکان گر گیا، ان کو نئی تعمیر کے لئے چار مہینے کی چھٹی کی ضرورت ہے، تم بطور ڈاکٹر کون سی ایسی بیماری لکھ کر دو گے کہ ان کو چھٹی بھی مل جائے اور تم پکڑے بھی نہ جاسکو۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے کیا جواب دیا۔ فہیم صاحب نے کہا کہ میں نے جواب دیا کہ میں اور طریقوں سے ضرور مدد کروں گا لیکن یہ جھوٹا سرٹیفیکیٹ نہیں دے سکتا۔ عبداللہ صاحب نے پھر کہا کہ سعدیؒ نے کہا ہے کہ ''دروغِ مصلحت آمیز بہ، از راستیِ فتنہ انگیز (مصلحت والا جھوٹ فتنے والے سچ سے بہتر ہے)۔ میں اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ میں نے فہیم شاہ صاحب سے کہا۔ ''مبارک ہو! آپ منتخب (Select) ہو گئے۔''

دوسرے دن ہمارے محلّے کی تبلیغی جماعت کے امیر صاحب کا انٹرویو تھا جو کہ ای این ٹی سپیشلسٹ تھے۔ بندہ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ صاحب نے کیا کیا سوال کیئے۔ انھوں نے بھی علاوہ اور سوالوں کے، ایک وہی پرائمری سکول کے استاد والا سوال دہرایا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کیا جواب دیا۔ امیر صاحب نے جواب دیا کہ میں نے کہا کہ Tinnitus یعنی کان بجنے کی بیماری۔ اس پر اسے چھٹی بھی مل جائے گی اور مجھے بھی کوئی پکڑ نہیں سکے گا۔ بندہ نے امیر صاحب کو تو نہیں بتایا لیکن دل میں خیال آیا کہ اس جواب پر امیر صاحب انٹرویو میں فیل ہو گئے۔ نتیجہ نکلا تو واقعی فہیم صاحب منتخب ہوئے تھے اور امیر صاحب رہ گئے تھے۔

بندہ نے ساتھیوں کو بتایا کہ اگرچہ امیر صاحب کے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک سفر

ہوئے تھے اور بہت محنت سے تحریکی کام کر رہے تھے، لیکن اصل میں ایک تحریک میں کام کرنے کے لئے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک نکلنا ہوتا ہے، جبکہ ایک بننا ہوتا ہے۔ اگرچہ نکلنا تو ہوا لیکن آدمی بنا نہیں تو اس سے مقصود حاصل نہ ہوا۔ نکلنا اور چیز ہے، بننا اور چیز ہے۔ جب تک علماء و مشائخ کی صحبت میسر نہیں ہوگی، بننا مشکل ہے۔ تحریک میں اتنا عرصہ چلنے کے باوجود امیر صاحب کی معلومات میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جھوٹا سرٹیفیکیٹ جھوٹی گواہی ہے جس کا گناہ دو دفع بدکاری کے برابر ہے۔ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے تو علماء کی صحبت، مشائخ سے بیعت اور دینی کتب کے مطالعے کی تاکید کی ہوئی تھی لیکن بعد میں ایسے افراد تحریک میں کرتا دھرتا ہو گئے کہ ان چیزوں کو نظر انداز کر دیا گیا جس کے عجیب و غریب نتائج سامنے آ گئے۔

☆☆☆☆☆

ایک ساتھی نے غم کے انداز میں گزرتے گزرتے گزر جائے گی والا مصرعہ موبائل پیغام میں بھیجا۔ فی البدیع اشعار زبان سے نکل گئے۔

گزرتے گزرتے گزر جائے گی
یہ دنیا بیچاری بکھر جائے گی
جو سنبھلے تو حالت نکھر جائے گی
نہ سمجھے تو ہستی بگڑ جائے گی

(حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم)

ختمِ نبوت

(انتخاب از: حیاتِ درویش، جناب عزیز احمد صاحب دامت برکاتہم، لوندخوڑ، مردان)

محبوب جس قدر باکمال اور بے مثال ہوتا ہے چاہنے والے کے دلوں میں محبت کا جذبہ بھی اس قدر تیز اور سربلند ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے جانثاروں کا مبارک سلسلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ سعید سے شروع ہوا تھا اور آج تک جاری وساری ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (الاحزاب: ٦)

ترجمہ: نبی مؤمنوں کو ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

محبوب یگانہ ہے عاشق بھی یگانہ ہو

یعنی کہ جو ہو ان کا وہ سب سے ہو بیگانہ　　(سید سلیمان ندویؒ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ

اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والدین اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری ومسلم)

اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا مبارک طبقہ حضور ﷺ سے ترجیحی بنیادوں پر محبت کرتا تھا۔

انگریزوں نے مرزا قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کرایا۔ یہ فتنہ اتنا سنگین تھا کہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے فرزند مولانا انظر شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ والد محترمؒ نے فرمایا کہ فتنۂ قادیانیت کی وجہ سے تین ماہ تک نہیں سویا اس غم اور فکر میں کہ کہیں قادیانیت کا فتنہ یونہی خودرو جھاڑیوں کی طرح پھلتا پھولتا گیا تو دین اسلام کا کیا بنے گا؟ تین ماہ بعد میرے قلب پر القاء ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی حفاظت فرمائے گا۔'' درس میں ایک مرتبہ فرمایا کہ تیس سال کے عرصہ میں وقفہ وقفہ سے میں نے تین مرتبہ حضور ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ہر مرتبہ توجہ دلاتے تھے کہ ''ختم نبوت کی حفاظت کرو اور قادیانی فتنہ کو نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن سعی کی جائے''۔

شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ بیان میں فرمایا کہ ہم سے تو گلی کا کتا بھی اچھا ہے، ہم اس سے بھی گئے گزرے ہیں۔ وہ اپنی گلی محلے کا حق نمک خوب ادا کرتا ہے، ہمارے ہوتے ہوئے لوگ ناموسِ رسالت پر حملہ کرتے ہیں اور ہم حقِ غلامی و امتی ادا نہیں کرتے۔ اگر ہم ناموسِ رسالت کا تحفظ کریں گے تو قیامت کے دن شفاعت کے مستحق ٹھہریں گے، تحفظ نہ کیا یا نہ کر سکے تو مجرم ہوں گے اور کتے سے بھی بدتر ہوں گے۔ فرمایا: ''جو شخص فتنۂ قادیانیت کے خلاف کام کرتا ہے اس کا صلہ جنت ہے اور میں اس صلے کا ضامن ہوں۔''

قطبِ عالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اپنے نور فراست سے مرزا قادیانی کے دعوے سے پہلے پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کو حجاز مقدس میں بیعت و خلافت سے سرفراز فرما کر فرمایا کہ

پنجاب میں ایک فتنہ اٹھنے والا ہے، اللہ تعالیٰ آپ سے اس کے خلاف کام لیں گے۔

جب ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت چلی تو اس وقت ذوالفقار علی بھٹو ملک کے وزیر اعظم تھے۔ دورانِ تحریک آغا شورش کشمیری نے اپنے پیارے دوست مولانا تاج محمود صاحب کے ساتھ وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کی روداد ہفت روزہ چٹان ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں موجود ہے جو بھٹو صاحب کی بیان کردہ ہے۔ اس روداد کی تلخیص یوں ہے:

بھٹو صاحب کہتے ہیں کہ شورش اپنے دوست مولانا تاج محمود کے ساتھ میرے پاس آئے۔ شورش نے چار گھنٹے تک مسئلہ ختم نبوت اور قادیانیوں کے پاکستان کے بارے میں عقائد وعزائم کے متعلق گفتگو کی۔ دورانِ گفتگو شورش نے ایک عجیب حرکت کی۔ شورش نے باتوں کے دوران انتہائی جذباتی ہو کر میرے پاؤں پکڑ لئے۔ شورش جیسے بہادر اور شجاع آدمی کو ایسی حالت میں دیکھ کر میں لرز اٹھا، شورش کی عظمت کو دیکھ کر میں نے اسے اٹھا کر گلے لگا لیا۔ مگر وہ ہاتھ ملا کر پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا: ''بھٹو صاحب! ہم جیسی ذلیل قوم کسی ملک نے آج تک پیدا نہیں کی ہوگی۔ ہم اپنے نبی ﷺ کے تاج وتخت ختم نبوت کی حفاظت نہ کر سکے۔'' پھر شورش نے روتے ہوئے میرے سامنے اپنی جھولی پھیلا کر کہا: ''بھٹو صاحب! میں آپ سے اپنے اور آپ کے نبی ﷺ کی ختم المرسلینی کی بھیک مانگتا ہوں۔'' آپ میری زندگی کی تمام خدمات اور نیکیاں لے لیں، میں خدا کے حضور خالی ہاتھ چلا جاؤں گا، خدا کے لئے محبوب خدا ﷺ کی ختم نبوت کی حفاظت کر دیجئے، اسے میری جھولی نہ سمجھئے بلکہ فاطمہ بنت محمد ﷺ کی جھولی سمجھ لیجئے۔''

اب اسے زیادہ مجھ میں کچھ سننے کی تاب نہ تھی۔ میرے بدن میں ایک جھرجھری سی آ گئی، میں

نے شورش سے وعدہ کرلیا کہ میں قادیانی مسئلہ ضرور بالضرور حل کروں گا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء زوروں پر تھی۔ مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ فرماتے ہیں:

”ان دنوں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ پر سوز و گداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی وہ الفاظ کے جامہ تنگ میں نہیں سماسکتی۔ تحریک کے دنوں جو آخری سفر حضرت نے کراچی سے ملتان، لاہور، راولپنڈی اور پشاور تک کیا۔ اس کی یاد کبھی نہ بھولے گی۔ کراچی سے روانہ ہوئے، حضرت پر بے حد رقت طاری تھی اور جناب مفتی ولی حسنؒ کو فرمارہے تھے کہ مفتی صاحب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ کامیاب فرمائیں، میں کفن ساتھ لے کر جارہا ہوں۔ مسئلہ حل ہو گیا تو الحمد اللہ ورنہ بنوری شاید واپس نہ آئے گا۔

قادیانیت کا پس منظر:

غلام احمد قادیانی (وہ شخص جس نے انگریز کے کہنے پر نبوت کا دعویٰ کیا تھا) سیالکوٹ ڈی سی آفس میں معمولی درجے کا کلرک تھا۔ مسیحی مشن نے انگریز ڈی سی کے توسط سے اس کے ساتھ ایک طویل ملاقات کی جس کے بعد اس شخص نے مذہبی اختلافات کو ہوا دی۔ بحث و مباحثہ اور اشتہار بازی شروع کردی۔ اس نے بتدریج خادمِ اسلام، مبلغ اسلام، مجدد، مہدی، مسیح اور اس کے بعد ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ علمائے لدھیانہ نے اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا۔ ۱۹۲۶ء کو ریاست بہاولپور میں ایک شخص عبدالرازق قادیانی ہوگیا۔ مرتد ہونے کے بعد اس کی منکوحہ غلام عائشہ نے ۲۴ جولائی ۱۹۲۶ء کو بہاولپور کے جج اکبر خان کی عدالت میں نکاح فسخ کرنے کا دعویٰ کیا۔ مقدمہ چلتا رہا۔ مقدمہ کی پیروی کے لئے سب کی نگاہ مولانا انور

شاہ کشمیریؒ پر پڑی۔ حضرت دیوبند سے بہاولپور تشریف لائے۔ اہل دل گواہی دے رہے تھے کہ عدالت میں انور شاہ کشمیریؒ نہیں بلکہ حضور ﷺ کا وکیل اور نمائندہ بول رہا ہے۔ نواب آف بہاولپور مرحوم گرمیاں اکثر لندن میں گزارا کرتے تھے۔ نواب مرحوم سر عمر حیات ٹوانہ سے لندن میں ملے اور مشورہ طلب کیا کہ انگریز گورنمنٹ کا مجھ پر دباؤ ہے کہ ریاست بہاولپور اس مقدمہ کو ختم کرادے، اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ سر عمر حیات نے کہا کہ ہم انگریز کے وفادار ضرور ہیں مگر اپنا دین، ایمان اور عشق رسالت مآب ﷺ کا تو ان سے سودا نہیں کر سکتے۔ آپ ڈٹ جائیں اور ان سے کہیں کہ عدالت جو چاہے فیصلہ کرے۔ میں حق وانصاف کے سلسلہ میں اس پر دباؤ نہیں ڈالنا چاہتا۔ (محمد علی جالندھریؒ نے فرمایا کہ ان دونوں کی نجات کے لئے اتنی بات کافی ہے) جج محمد اکبر نے ۱۹۳۵ء میں قادیانیت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء:

ہندوستان تقسیم ہوا۔ پاکستان معرض وجود میں آیا۔ بدنصیبی سے اسلامی مملکت پاکستان کا وزیر خارجہ ظفر اللہ خان قادیانی کو بنایا گیا۔ اس نے مرزائیت کے جنازے کو اپنے کندھے پر لاد کر اندرون ملک وبیرون ملک متعارف کرانے کی کوششیں تیز تر کردیں۔ امیرِ شریعت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی رگِ حمیت اور حسینی خون نے جوش مارا اور پورے ملک کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے آئینی جدوجہد کا آغاز کیا۔ یہ ایک ایسی جدوجہد تھی جس میں دس ہزار مسلمانوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ایک لاکھ مسلمانوں نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے بعد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے رفقاء نے الیکشنی سیاست

سے کنارہ کش ہو کر خالصتاً دینی و مذہبی بنیادوں پر مجلس تحفظِ ختم نبوت پاکستان کی بنیاد رکھی۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا کردار:

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں چند سیٹوں پر قادیانی منتخب ہو گئے۔ اقتدار کے نشے میں اور ایک سیاسی جماعت سے وابستگی نے انہیں دیوانہ کر دیا۔ قادیانی جرنیلوں نے بھی اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ بحری اور فضائی فوج کے سربراہان قادیانی تھے۔ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر چناب ایکسپریس کے ذریعے سفر کرنے والے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلباء نے قادیانیوں پر نعرے کسے۔ جواب میں انہوں نے ان پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ ان طلباء میں سے کچھ زخمی ہو گئے۔ ان دنوں ختم نبوت کے امیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ بیماری کی وجہ سے بحرین (سوات) میں قیام پذیر تھے۔ حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحبؒ بھی ان کے ساتھ وہیں تھے۔

پشاور یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلباء نے جلوس نکالا لیکن ان کو پذیرائی نہ ملی۔ اس معاملے میں حضرت ڈاکٹر صاحب کی طبیعت بہت بے چین تھی، آپ نے قادیانیت کے تعاقب کا فیصلہ کیا اور رات کو خواب میں مولانا عبداللہ درخواستی صاحبؒ اور حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی صاحبؒ کی زیارت ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں سمیت تحریک میں حصہ لیں۔ دوسرے سیاسی لوگوں کی غیر مقبولیت اور جذباتی طریقہ کار تحریک کے لئے نقصان دہ تھا۔ جگہ جگہ بغیر تحقیق کے لوگوں کی املاک جلانے اور لوگوں پر تشدد کے واقعات بھی سامنے آئے۔ اس لئے حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھیوں سمیت تحریک میں شامل ہو جانے کی وجہ

سے تحریک پرامن ڈگر پر آئی اور اس میں قوت پیدا ہوگئی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے طلباء کو پورے صوبے میں پھرا کر ایک لاکھ لوگ جناح پارک میں اکٹھے کر لئے۔ جلسہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے خاص ساتھی اور مولانا اشرف خان سلیمانیؒ کے مرید میاں عبدالحلیم کا کا خیل (مردان) کی صدارت میں ہوا۔ مولانا محمد امیر صاحبؒ المعروف مولانا بجلی گھر نے جلسے سے خصوصی خطاب کیا۔ اس جلسے نے پورے صوبے کو ہلا کر رکھ دیا۔

طلباء کے جلوس انتہائی منظم اور پرامن تھے لیکن پھر بھی حکومت نے لاٹھی چارج کیا۔ کئی طلباء زخمی ہوئے، کئی ایک جیلوں میں ڈال دئے گئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ان طلباء کے بارے میں خاص اہل اللہ کو بشارتیں ہوئیں اور ان کے بارے میں ایسی دعائیں قبول ہوئیں کہ سارے کے سارے اہم پوسٹوں پر فائز ہیں، ان کی دینی حالت بھی قابلِ رشک ہے۔

الغرض ۱۹۷۴ء کی تحریک پورے ملک میں کامیاب ہوئی اور ذوالفقار علی بھٹو کے عہدِ اقتدار میں متفقہ طور پر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو نیشنل اسمبلی آف پاکستان نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

قادیانیوں کے خلاف مولانا اشرفؒ خان کی سپریم کورٹ میں وکالت:

صدر ضیاء الحق کے دور میں قادیانیوں نے اپنے مرتد ہونے کے خلاف سپریم کورٹ میں کیس دائر کیا ہوا تھا۔ اس کیس کی وکالت کے لئے شیخ الشیخ مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحبؒ اور قاضی مجیب الرحمٰن صاحب صدر شعبۂ اسلامیات منتخب ہوئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت مولانا صاحبؒ بیمار ہوگئے اور اس قدر شدید بیمار ہوئے کہ ہسپتال میں داخل ہونا

پڑا۔ہسپتال کے کمرہ میں اپنا کتب خانہ منتقل کر دیا اور وہاں تحقیقی کام کئی آدمیوں کو ساتھ لگا کر کرتے رہے۔جس دن روانگی تھی تو اٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔ایک بڑی گاڑی میں لٹا کر اسلام آباد تک سفر کروایا گیا۔فرماتے تھے کہ مجھے خطرہ ہو رہا تھا کہ راستے میں مر جاؤں گا لیکن میں اس راستے میں مرنے کے لئے ہی جا رہا تھا۔سپریم کورٹ میں پیش ہونے پر اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی قوت عطا فرمائی کہ قادیانی بری طرح ہارے اور ان پر اسلامی شعائر، اذان دینا، اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد رکھنا، اس کی شکل مسجد جیسی بنانا، سب ممنوع کر دئے گئے۔اس سفر سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے پھر صحت عطا فرمائی۔

درویش کی بددعا:

ڈاکٹر کبیر صاحب بتاتے ہیں کہ حج کے ایک سفر میں ہم حضرت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تھے کہ اتنے میں کسی نے پاکستان سے موبائل کے ذریعے میسج بھجوا دیا کہ کسی صوبے کے گورنر صاحب ختم نبوت کے قانون میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور ختم نبوت کے قانون کو کالا قانون کہہ رہے ہیں، آپ کے دل پر کیا گذری اس کا اندازہ کسی غیر کو کیا ہو سکتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے ہم سب کو قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے کو کہا اور خود بھی قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور شکستہ دل کے ساتھ ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور رقت کے ساتھ دعا مانگنے لگے:

’’یا اللہ! ہمارے پاکستان واپس جانے سے پہلے پہلے اس شخص کی کھوپڑی میں گولی لگی ہو۔‘‘

قلندر کے منہ سے جو بات نکلی تھی پھر وہی وقوع پذیر ہوئی۔

قادیانیوں کی خطرناک سازش اور اللہ کی حفاظت:

ایک دفعہ فرمایا کہ ہر نظریہ اقتدار عالیہ حاصل کر کے اپنی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہی ترتیب قادیانیوں کی ہے۔ اس کے لئے وہ مختلف موقعوں ہر قسم کی کوشش کر چکے ہیں۔ میاں اکبر شاہ والی سوات کو قادیانی بنا کر اس ریاست پر قبضہ کرنے والے تھے کہ سنڈا کی ملا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مداخلت اور جہاد نے اس فتنہ کی سرکوبی کی۔ صوبہ بلوچستان میں اپنے افسروں کے تبادلے کروا کر اور تبلیغی کوششیں کر کے اس صوبے کو قادیانی سٹیٹ بنا رہے تھے کہ اچانک ون یونٹ بن کر پورا مغربی پاکستان ایک صوبہ ہو گیا اور یہ کوشش ناکام ہو گئی۔ ۱۹۷۴ء میں بحری فوج کا سربراہ قادیانی تھا، فضائیہ کا سربراہ بھی قادیانی تھا، جنرل ٹکہ خان جو بری فوج کا سربراہ تھا اس کی ریٹائرمنٹ پر جنرل حمید قادیانی آنے والا تھا، یوں یہ ریاست مکمل قادیانیوں کے ہاتھ میں جا رہی تھی کہ اللہ پاک نے غیب سے ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت چلا کر اس سازش کا خاتمہ کیا۔

☆☆☆☆☆

اعلان

آئندہ ماہانہ اجتماع ان شاء اللہ ۲۲، ۲۳ ستمبر بروز ہفتہ خانقاہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور میں منعقد ہوگا۔ بیان مغرب کی نماز کے بعد ہوگا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی جانشینی

(از: تاریخ دعوت وعزیمت، علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔ انتخاب: جناب خوشحال صاحب)

(نوٹ: بنوامیہ کے دور اقتدار میں جو حکومتی سطح پر کوتاہیاں شروع ہوئیں ان کی اصلاح کی کسی سخت مسلح جدوجہد سے بھی ممکن نہیں تھی۔ اس وقت اسلام کو غالب ہونے اور حالات کو بدل دینے کے لئے ایک معجزہ کی ضرورت تھی)

یہ معجزہ حضرت سیدنا عمرؓ بن عبدالعزیز کی ذات ہے جو خود بانی خاندان (مروان) کے پوتے اوران کی ماں (ام عاصم) فاروق اعظمؓ کی پوتی تھیں۔ فاروقیت اوراموبت کا یہ سنجوگ اسی لئے ہوا تھا کہ بنی امیہ کے خاندان میں ایک خلیفۂ راشد پیدا ہو، جو حالات میں انقلاب برپا کردے۔

عمر بن عبدالعزیز ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک کے چچازاد بھائی تھے اوراس کے پیشرو ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے حاکم (گورنر) تھے۔ ان کی جوانی اورامارت کوان کی خلافت کے بعد کی زندگی سے کوئی مناسبت نہیں۔ وہ ایک صاحبِ ذوق، امیرانہ مزاج اورنفیس طبع نوجوان تھے۔ وہ جس راستہ سے گزرتے تھے دیر تک اس کی مہک بتلاتی تھی کہ ادھر سے عمر بن عبدالعزیز گزرے ہیں۔ ان کی چال مشہور اورنوجوانوں کا فیشن تھی۔ سوائے طبیعت کی سلامتی، حق پسندی اورفطری نیک

مزاجی کے ان میں کوئی ایسی علامت نہ تھی جس سے ثابت ہو کہ وہ تاریخ اسلام میں اتنا اہم کام انجام دینے والے ہیں۔

لیکن ان کی ذات سرتا پا اسلام کا اعجاز تھی اور وہ جس طرح مسندِ خلافت پر آئے وہ بھی خدا کی قدرت کی ایک نشانی تھی۔ موروثی نظامِ حکومت میں ان کی خلافت کا کوئی موقع نہ تھا۔ اگر حالات اپنی طبعی رفتار سے چلتے رہتے تو ایک صوبے کی امارت سے زیادہ ان کا کوئی حصہ نہ تھا مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ سلیمان بن عبدالملک بیمار ہوا، اس کے بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ اس نے ان کو لانبی لانبی قبائیں پہنائیں اور ہتھیار باندھے کہ وہ کچھ بڑے معلوم ہوں مگر وہ آنکھوں میں نہ جچے۔ اس نے بڑی حسرت سے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ بڑا خوش قسمت ہے جس کے لڑکے بڑے بڑے ہوں۔ ''رجاء بن حیوہ'' نے جو اسی انتظار میں تھے، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی جانشینی کا مشورہ دیا جو منظور ہوا۔ رجاء کا یہ کارنامہ (جو دینی انقلاب کا ذریعہ بنا) بڑے بڑے مجاہدات اور سالہا سال کی عبادت پر بھاری ہے۔

خلافت کے بعد ان کی زندگی:

عمر بن عبدالعزیزؒ نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بلا تاخیر ان چند عمال حکومت کو معزول کیا جو سخت ظالم اور ناخدا ترس تھے۔ ان کے سامنے شاہی تزک و احتشام اور جانشینی کا جو سامان پیش کیا گیا اس کو بیت المال میں داخل کیا اور اسی گھڑی سے ان کی سیرت یکسر بدل گئی۔ اب یہ سلیمان کے جانشین نہ تھے بلکہ امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ کے جانشین تھے۔

جواری اور باندیوں کو تحقیق کے بعد ان کے خاندانوں اور شہروں کو واپس کر دیا۔ مظالم کا تصفیہ کیا اور اپنی مجلس کو، جس نے کسریٰ و قیصر کے دربار کی حیثیت اختیار کر لی تھی، سنت اور خلافتِ راشدہ کے نمونہ پر سادہ اور مطابقِ سنت بنا دیا۔ اپنی جاگیر مسلمانوں کو واپس کر دی۔ بیوی کا زیور بیت المال میں داخل کیا۔ انھوں نے ایسی زاہدانہ زندگی اختیار کی جن کی نظیر بادشاہوں میں تو کیا مل سکتی ہے، درویشوں اور فقراء میں بھی ملنی مشکل ہے۔ لباس میں ایسی کمی کی کہ بعض وقت کرتا سوکھنے کے انتظار میں جمعہ میں تاخیر سے پہنچنا ہوتا۔ بنی امیہ جو ساری سلطنت کو اپنی جاگیر اور بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے، اب اپنا نپا تلا حصہ پاتے۔ خود ان کے گھر کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اپنی بچیوں سے ملنے گئے تو دیکھا جو بچی ان سے بات کرتی ہے وہ منہ پر ہاتھ رکھ لیتی ہے۔ سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان بچیوں نے آج صرف دال اور پیاز کھائی ہے۔ رو کر فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم انواع و اقسام کے کھانے کھاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں جائے؟ یہ سن کر وہ بھی رو پڑیں۔ اس وقت جبکہ وہ روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت کے حکمران تھے، ان کی ذاتی ملکیت کا یہ حال تھا کہ باوجود شوق کے حج کا خرچ ان کے پاس نہ تھا۔ نوکر سے، جو ان کا سچا رفیق تھا، پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ دس بارہ دینار۔ کہا کہ اس میں حج کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد ایک بڑی خاندانی مالیت آئی تو خادم نے مبارک باد دی اور کہا کہ حج کا سامان آ گیا۔ فرمایا: ''ہم نے اس مال سے بہت دنوں فائدہ اٹھایا ہے۔ اب یہ مسلمانوں کا حق ہے۔'' یہ کہہ کر اس کو بیت المال میں

داخل کردیا۔

ان کے دو وقت کھانے کا حساب دو درہم یومیہ سے زیادہ نہ تھا، احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اگر سرکاری شمع جل رہی ہوتی اور کوئی ان کی خیریت دریافت کرنے لگتا یا ذاتی بات چیت شروع کردیتا تو فوراً اس کو گُل کردیتے اور اپنی ذاتی شمع منگواتے۔ بیت المال کے باورچی خانہ میں گرم کیئے ہوئے پانی سے غسل کرنے سے بھی ان کو احتراز تھا۔ بیت المال کے مشک کو سونگھنا بھی گوارا نہ تھا۔ ان کی احتیاط تنہا اپنی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ وہ اپنے عمالِ حکومت کو بھی احتیاط کا سبق دیتے تھے اور ان سے توقع کرتے تھے کہ وہ بھی حکومت کے معاملہ میں اسی قدر محتاط اور جُزرس ہوں گے۔ والیٔ مدینہ ابوبکر بن حزم نے سلیمان بن عبدالملک کو درخواست دی تھی کہ حسب دستورِ سابق ان کو سرکاری موم بتیاں اور قندیلیں ملنی چاہیں۔ سلیمان کے انتقال کے بعد یہ پرچہ عمر بن عبدالعزیز کے ملاحظہ میں آیا۔ آپ نے لکھا کہ ابوبکر مجھے یاد ہے کہ تم اس عہدے سے پہلے جاڑے کی اندھیری راتوں میں بے شمع و موم بتی کے نکلتے تھے۔ تمہاری وہ حالت اس حالت سے بہتر تھی۔ میرے خیال میں تمہارے گھر کی موم بتیاں اور قندیلیں کافی ہیں۔ انہی سے تم کو کام لینا چاہیئے۔ اسی طرح کی ایک درخواست پر جس میں سرکاری کام کے لئے کاغذ طلب کیا گیا تھا لکھا: ’’قلم باریک کردو اور گھٹا ہوا لکھو اور ایک پرچہ میں بہت سی ضرورتیں لکھدیا کرو، اس لئے کہ مسلمانوں کو ایسی لمبی چوڑی بات کی ضرورت نہیں جس سے خوامخواہ بیت المال پر بار پڑے۔‘‘

حالیہ الیکشن کا 1971ء کے الیکشن سے مقابلہ

(جناب میجر (ر) اخونزادہ عباس صاحب، پشاور)

1971ء کا الیکشن پاکستانی سیاست میں ایک فیصلہ کن الیکشن تھا۔ ہر پارٹی نے اپنے منشور کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ پیپلز پارٹی نے ''اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے'' کا منشور پیش کیا۔ اس پر کراچی کے 113 علماء نے سوشلزم پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتوے کا ساتھ نہ دیا۔ ایوب خان کی اعلان تاشقند کی غلطی، جس پر ساری قوم اس سے ناراض تھی، بھٹو کے کام آئی اور اس کی پارٹی بننے کی بنیاد بنی۔ قوم یہ چاہتی تھی کہ ہندوستان کے ساتھ جو ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی اس میں پاکستان نے ہندوستان کے جو علاقے قبضہ کئے، مذاکرات میں کشمیر لے کر وہ علاقے خالی کرنے چاہئے تھے۔ جبکہ ایوب خان نے کشمیر کے مسئلے کو چھوڑ کر وہ علاقے بغیر کسی شرط کے حوالے کر دئے۔ روٹی، کپڑا اور مکان کا پرکشش نعرہ جو پیپلز پارٹی نے لگایا اس نے پاکستانی عوام کو متوجہ کیا اور اس وقت کے صوبہ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کو اکثریت ملی۔

مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب، مولانا عبداللہ درخواستی صاحب اور مفتی محمود صاحب رحمہم اللہ حضرات نے اپنے پرانے طرز سے الیکشن میں بھرپور حصہ لیا۔ علماء و مشائخ میں سے اچھی علمی شہرت والے، تقویٰ و پرہیزگاری والے اور عوام کے دکھ سکھ میں ان کا ساتھ دینے والے حضرات بطور نمائندہ لئے۔ پارٹی نے کوئی اتحاد کیا نہ کوئی سیٹ ایڈجسٹمنٹ کی۔ کسی باطل عقیدے و نظریے والے کا نہ ساتھ دیا نہ اس کو ساتھ لیا۔ اس ترتیب پر سات سیٹیں قومی اسمبلی میں لیں اور دو صوبوں میں صوبائی

حکومت بنانے کے قابل ہوئے۔اس دور میں یہ علماء ومشائخ سارا سال سیاسی جوڑ توڑ اور اکھاڑ پچھاڑ کے بجائے مدارس چلانا، بیعت کے سلاسل چلانا، اصلاحی جلسے کرانا، ختمِ نبوت کے مسئلے کے لئے قربانیاں دینا، حکومت اور اسلام کے خلاف جو سازشیں کرے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، یہی کام کرتے تھے۔الیکشن کا تھوڑا سا دورانیہ سیاسی کام کرتے تھے جس میں اپنے مخالف کے بارے میں کبھی غیر مہذب اور ناشائستہ زبان استعمال نہیں کرتے تھے۔اسی ترتیب پر تھوڑے عرصے میں علماء نے پاکستانی سیاست میں یہ مقام حاصل کیا تھا۔

اس وقت کی آبادی کے مطابق جو سیٹوں میں اضافہ ہوا ہے اس کا مقابلہ اگر آج کی آبادی اور سیٹوں سے کیا جائے تو ایم ایم اے نے بارہ سیٹیں لیں۔گویا اس وقت کے اور اس وقت کے الیکشن میں کوئی خاص فرق نہیں ہوا۔ہاں یہ ہے کہ اس وقت کے سات اور نو کا تناسب اور آج کا آٹھ اور بارہ کا تناسب سے کیا جائے تو اس اتحاد سے جماعت اسلامی کو 1.2 سیٹ کا فائدہ ہوا جبکہ جمعیت العلماء کو 1.5 سیٹ کا قومی اسمبلی میں نقصان ہوا اور دونوں صوبوں میں حکومت میں کچھ بھی نہ ملا۔پارٹی کے اسلامی طرز سے ہٹ کر جمہوری طرز اختیار کر کے گزشتہ 38 سال فضل الرحمان نے جو ہر کس و ناکس، حق اور باطل کے ساتھ اتحاد کیا، علماء ومشائخ کی جگہ مشکوک اور حرام مال و دولت والے ڈنڈا مار خوانین کو آگے کیا، اس کا نتیجہ اس زوال کی شکل میں ظاہر ہوا۔

یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ پرویز مشرف کے دور میں متحدہ مجلس عمل کو جو سیٹیں ملی تھیں وہ ان کی تائید نہیں تھی بلکہ طالبان کی افغانستان کی امارت اسلامیہ کے ختم ہونے کے ردعمل میں قوم نے دی تھیں۔موجودہ الیکشن وہ الیکشن تھا جس کے بارے میں ماہر ومحتاط تجزیہ نگاروں نے یہ بات کہہ دی تھی کہ فضل الرحمان کی پالیسیوں کا نتیجہ اس دفعہ کے الیکشن میں سامنے آئے گا۔اس سے زیادہ فکر کی

بات یہ ہے کہ پورے پاکستان کے علماء و مشائخ ان کی ان کوتاہیوں کا نوٹس لینے اور ان کی اصلاح کرنے کے بجائے آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے ہاتھ باندھ کر چلتے رہے۔

با ایں عقل و دانش بباید گریست

(اس عقل و دانش پر تو رونا ہی چاہئے)

اگر یہی طرز مستقبل میں رہا تو تجزیہ نگار ضمانتیں ضبط ہونے کی حد تک پیشنگوئی کر رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ختم نبوت کے لئے عورتوں کی قربانیاں

شاعر ختم نبوت سید امین احسن گیلانی اپنا جیل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "ایک دن جیل کا سپاہی آیا اور مجھ سے کہا کہ آپ کو دفتر میں سپرٹینڈنٹ صاحب بلا رہے ہیں۔ میں دفتر میں پہنچا تو دیکھا کہ میری والدہ صاحبہ مع میری اہلیہ اور بیٹے سلمان گیلانی کے، جس کی عمر اس وقت سوا، ڈیڑھ سال تھی، بیٹھے ہوئے ہیں۔ والدہ محترمہ مجھے دیکھتے ہی اٹھیں اور سینے لگایا، ماتھا چومنے لگیں، حال احوال پوچھا۔ ان کی آواز گلوگیر تھی۔ سپرٹینڈینٹ نے محسوس کر لیا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میرا بھی جی بھر آیا، آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ یہ دیکھ کر سپرٹینڈنٹ نے کہا: "اماں جی! آپ رو رہی ہیں؟" پھر ایک فارم بڑھاتے ہوئے کہا: "اپنے بیٹے سے کہیں کہ اس پر دستخط کر دے تو اسے ساتھ لے جائیں، ابھی معافی ہو جائے گی۔" میں ابھی خود کو سنبھال رہا تھا کہ اسے جواب دے سکوں کہ والدہ صاحبہ تڑپ کر بولیں: "کیسے دستخط، کہاں کی معافی، میں ایسے دس بیٹے حضور اکرم ﷺ کی عزت پر قربان کر دوں۔ میرا رونا شفقت مادری ہے۔" یہ سن کر سپرٹینڈنٹ شرمندہ ہو گیا اور میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا۔

ایک مجلس کے احوال

(جناب عمر فاروق صاحب، لیکچرار، گورنمنٹ کالج، پشاور)

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ بمطابق ۱۳ جون ۲۰۱۸ء سلسلے کا تربیتی اعتکاف حضرت پروفیسر محمد الطاف حسین صاحب مدظلہٗ (خلیفۂ ارشد حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم) کی نگرانی میں ہوا۔ لگ بھگ دو سو گھنٹے مسلسل حضرت کی صحبت اور مسجد کے ماحول میں گزرے۔ اس کے نورانی اثرات معتکفین کی کیفیات سے عیاں ہوئے۔ صبح ساڑھے گیارہ بجے تعلیم ہوتی۔ حضرت خود کتاب سے تعلیم فرماتے۔

28 رمضان کو معمول سے ہٹ کر حضرت نے تعلیم کیلئے فتوح الشام (صحابہ کرامؓ کے جنگی معرکے) کا انتخاب فرمایا۔ اس سے پہلے کے دنوں میں الخصائص الکبریٰ سے تعلیم ہوئی تھی۔ کتاب کھول کر حضرت نے ایک لمحے کے لئے اہل مجلس پر نگاہ فرمائی اور پھر اللہ کے نام سے مجلس کا آغاز کر دیا۔ تعلیم شروع ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ گزرا تھا کہ اتنے میں ایک نوجوان میجر صاحب آئے اور مجلس میں بیٹھ گئے۔ حضرت کے کسی شاگرد کی معرفت سے ان کو یہاں آنے کی توفیق ہوئی تھی۔ مطلب یہ کہ میجر صاحب کا سلسلے کی مجلس سے یہ پہلا تعارف تھا۔ اس نے آتے ہی یہ بھی کہا کہ کچھ دیر مجلس میں بیٹھ کر واپس جائے گا۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ جب بھی آپ واپس جانا چاہیں تو آپ کو تعلیم سے اٹھنے کی اجازت ہے۔ بہرحال چونکہ تعلیم شروع ہو چکی تھی، حضرت نے کتاب کی طرف دوبارہ دیکھا اور مسکرا کر فرمایا: ''ماشاء اللہ! حسن اتفاق ہے کہ آج میجر صاحب بھی آئے اور آج ہماری

مجلس میں بھی فوجی معرکوں کے تذکرے ہورہے ہیں۔" اس کے بعد حضرت نے دوبارہ تعلیم کا سلسلہ جاری کیا یہاں تک کہ تعلیم مکمل ہوئی اور معتکف ساتھی خوب محظوظ ہوئے۔ میجر صاحب کو بھی بڑا لطف آیا اور مجلس کے اختتام تک بیٹھے رہے۔

جب تعلیم ختم ہوئی تو میجر صاحب بڑے خوش نظر آئے اور کہا کہ فتوح الشام کا تذکرہ ہمیں بھی فوجی اکیڈمیوں میں کروایا جاتا ہے۔ یہاں تک تو سب کچھ ٹھیک تھا مگر میجر صاحب نے اپنی گفتگو کو کچھ زیادہ ہی طول دے دیا۔ تاریخی معرکوں پر مبنی اپنے تئیں "دانشورانہ" باتیں کرتے رہے۔ انھوں نے چند تاریخی واقعات بھی سنائے لیکن اپنی باتوں میں مسلم فاتحین اور مشاہیر کے بارے میں منفی پہلوؤں پر زیادہ زور دیا، جیسا کہ آج کل کے دین بیزار اور مغرب زدہ دانشوروں کا وطیرہ ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ میجر صاحب نے اپنی گفتگو سے بالواسطہ طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وسائل، ٹیکنالوجی اور منصوبہ بندی کی اہمیت بہت زیادہ ہے جبکہ تقویٰ وغیرہ کا اہتمام گویا ثانوی چیزیں ہیں۔ میجر صاحب کی چند باتیں اہلِ مجلس پر ناگوار گذر رہی تھیں لیکن اس کے باوجود حضرت نے اس پر براہِ راست رد یا غصہ نہیں کیا بلکہ وقفے وقفے سے اپنے مخصوص، ملائم اور میٹھے لہجے میں اسی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے تاریخی اور فوجی اصطلاحات میں انتہائی مختصر مگر جامع ارشادات فرماتے رہے۔ حضرت کا اندازِ گفتگو ایسا مناسب تھا کہ اس سے مہمان کا اکرام بھی واضح جھلک رہا تھا، اس کی بات بھی نہیں کٹ رہی تھی اور اہلِ مجلس پر حق بات بھی واضح ہورہی تھی۔

میجر صاحب کی باتوں کا یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ اتنے میں ایک نئے بیعت شدہ معتکف ساتھی (جو ایک اہم وفاقی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل ہیں) سے مزید رہا نہ گیا اور بلا اجازت ہی مجلس

میں بول پڑے۔ ڈی جی صاحب نے براہ راست میجر صاحب کے بیانئے کو آڑے ہاتھوں لیا اور اپنی ''دانشوری'' سے میجر صاحب کی گوشمالی کی اور اس بیانئے کو چند ہی جملوں میں چاروں شانے چِت کر دیا۔ ڈی جی صاحب قدرے جارحانہ موڈ میں بولے:

''آپ جس بیانئے کی ترویج و اشاعت کر رہے ہو یہ بیانیہ انہی چند مخصوص اصطلاحات کے ساتھ فلاں ریٹائرڈ جنرل کا تیار کردہ ہے جسے وہ زور وشور سے فوجی حلقوں میں پھیلا رہا ہے تا کہ تقویٰ کی اہمیت کو کم کرا سکے اور عظیم مسلم ہیروز سے ہماری نسبت کٹوا سکے۔ یہ جنرل ایک ادارے میں میرا باس رہ چکا ہے، میں اس سے بخوبی واقف ہوں۔ یاد رکھیئے کہ پاکستان نہ تو کسی فوجی نے بنایا اور نہ ہی کسی بیوروکریٹ کا کمال ہے۔ یہ محض لا الٰہ الا اللہ کی برکت ہے اور پاکستان کی بقا بھی اسی کلمے سے جڑے رہنے میں ہے۔ ہمارے لئے تقویٰ ہی سب سے اہم ہے اور تقویٰ کے ساتھ اللہ کی مدد ہے۔''

ڈی جی صاحب کو خاموش کرا کے حضرت نے چند دیگر ہلکے پھلکے امور پر مختصر ارشادات فرما کر میجر صاحب کو رخصت کیا۔

☆☆☆☆☆

نعمتیں جو سب کی سب جنت میں ہیں
آپؐ کی اِک دید پر قربان ہیں
آپؐ وہ رحمت ہیں جس کے سامنے
یہ جہاں اور وہ جہاں ارزان ہیں

(حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم)

اطلاع

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کو آباد کرنے کے لئے مندرجہ ذیل لائحہ عمل بنایا گیا ہے۔ ساتھی ایک مہینے سے اس کی پابندی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس معمول کو جاری و ساری رکھے۔

جمعرات: حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم، خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف سلیمانیؒ

جمعہ: جناب قاضی فضلِ واحد صاحب، خلیفہ مجاز جناب تنظیم الحق حلیمی صاحبؒ

ہفتہ: پروفیسر ڈاکٹر قیصر علی صاحب، خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم

(صدر شعبۂ سول انجینئرنگ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور)

اتوار: انجینئر علاؤالدین صاحب نقشبندی

(الیکٹریکل انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، پشاور)

پیر: حافظ عماد الحق صاحب، مسترشد حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم

(سربراہ کمپیوٹر سیکشن، پشاور یونیورسٹی)

منگل: پروفیسر الطاف حسین صاحب، خلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم

(صدر شعبۂ اکنامکس، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور)

بدھ: ڈاکٹر امداد اللہ صاحب، خلیفہ مجاز حاجی عبد المنان صاحب، مکہ مکرمہ

(سینئر ڈینٹل سرجن، سٹی ہسپتال، پشاور)